تاب نہیں اب ستم اوٹھانے کی — چاہیئے تو بھی اب جفا نہ کرے

ق

تم جو کہتے ہو کہ دو حسرت کو — آہ و فریاد اب کیا نہ کرے

آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے
درد دل کی کوئی دوا نہ کرے

یہی بھلا ہے کہ تجھ کو مرا خیال نہ گذرے — کہ شاد ہے تری خاطر کہیں ملال نہ گذرے
جو دستی سے تری درد و غم گذرتے ہیں ہم پر — سوای بیاں تیرے دل میں بھی یہ خیال نہ گذرے
وفا ہے وعدہ ایک روز میں بھلا کب ہو — نہ آپھری تو ادھر جب تلک کہ سال نہ گذرے
شب فراق کی مانند عرصہ اس کو بھی دیجو — فلک شتاب کہیں یہ شب وصال نہ گذرے
بھولوں سے تیری ارادہ مقابلہ کا اسکو — ابھی سے اپنی کسی طور یہ ہلال نہ گذرے
خواص خنجر پر رنگ کا رکھے ہے یہ نخچیں (؟) — کہ صاف حلق سے (؟) زلال نہ گذرے
گواہ جرم کا میرے مجھی کو کیجیو قاتل — کہ باز پرس کے دن تجھ پہ انفعال نہ گذرے
یہ نور ماہ کی نقصان سے مجھے ہوا روشن — کہ یاں سے نقص بنا کوئی باکمال نہ گذرے

عجب ہی جلوۂ بے مثل یار کا مرے حسرت
کہ اوسکی خاطر شاعر میں بھی مثال نہ گذرے

کہاں تک خاک میں آوارہ زیر آسماں رہیئے — زمیں سے آسماں تک جائیے کیدھر کہاں رہیئے
نہ ہو وہ شہرۂ آفاق جس میں خودنمائی ہو — ملے ہے نام عنقا کی طرح جب بے نشاں رہیئے
کدھر گم ہو گیا یہ یوسفِ دل چاہ میں یارو — اب اسکا کھوج کرتے کارواں در کارواں رہیئے

وصل کی کل رات تھی اور یار بھی تھا مہرباں
پر نہ نکلا کام خاطر خواہ دل کے ہاتھ سے

جس طرف جاؤں اودھر سے طعن ہے تشنیع ہے
کس طرف جاؤں میں اے اللہ دل کے ہاتھ سے

بزم میں بیٹھا تھا تیرا نام لے بیٹھا کوئی
واں سے اوٹھ آیا میں کل ناگاہ دل کے ہاتھ سے

لے چلا دل کھینچ کر کعبہ سے بتخانہ کو شیخ
کیا کروں میں ہو گیا گمراہ دل کے ہاتھ سے

کیوں نہ ہو روزِ قیامت اسکو یہ شامِ فراق
زلف تیری چھوٹ گئی اے ماہ دل کے ہاتھ سے

جب فسانہ مختصر ہوتا ہی بول اوٹھتا ہے دل
قصہ یہ ہوتا نہیں کوتاہ دل کے ہاتھ سے

چشم کا رونا پڑا ہی کیا کہوں حسرت مدام
گہہ جگر کے ہاتھ سے اور گاہ دل کے ہاتھ سے

کوئی عرض حال یار سے ہر بار کیا کرے
جو جانتا ہو اوس سے پھر اظہار کیا کرے

آ ہی روز حشر کے صدمے دکھا دئے
اب دیکھیں ہجر کی یہ شبِ تار کیا کرے

کہیو بھلا قفس میں بجز نالہ و فغاں
صیاد اور مرغِ گرفتار کیا کرے

آمد ہی موج خون کی سینہ میں دمبدم
کس طور تھامے دیدۂ خونبار کیا کرے

جو مرغ اوڑ کے بام قفس تک نہ جا سکے
پرواز آہ تا سرِ دیوار کیا کرے

حسرت عبث کرے ہے گلہ اوسکا بار بار
تقصیر اپنے دل کی ہے دلدار کیا کرے

مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے
تجھ سے میں ہوں جدا خدا نہ کرے

اوڑ گئی پر سے طاقت پرواز
کہیں صیاد اب رہا نہ کرے

کس طرح اوس کو آشنا کہیئے

بہار آئی جنوں کو یہ دلِ افسردہ کیا جانے
ہوا گو تر ہو پر کھلنا دلِ پژمردہ کیا جانے

نہ ہووے ذبح کرنے کے سوا ایکدم اسی راحت
حلاوت زیست کی نخچیرِ پیکاں خوردہ کیا جانے

سخن آرائیاں مرغِ چمن مت کر اسیروں سے
خموشی چھٹ ہماری خاطرِ آزردہ کیا جانے

گرا تھا مرغِ دانا دیکھ کر دانے کو پر آگے
اگر ہو خال و خط سی دام اک گسترده کیا جانے

بلا لائے ہیں مجھکو جو قیدی یہاں کے محرم ہیں
گنہ میرا جو ہو بخشو یہ نوآوردہ کیا جانے

جو مانگو جی تو دوں حسرت جو سر چاہو تو حاضر ہے
تمہارا عاشقِ بیدل جگر اور گردہ کیا جانے

گذر کر ای نسیم آہ داغ دل پہ رہ رہ کے
ابھی ہے آگ سینہ میں مبادا پھر کہیں دہکے

کہاں ڈھونڈھوں کدھر دل کا نشاں پاؤں کسے پوچھوں
کہ یہ دیوانہ تو جاتا نہیں ہے مجھسے کچھ کہہ کے

شبِ فرقت نہ دکھلاوی خدا دشمن کو بھی یارو
بچا ہوں میں تو جیتا آہ پر کیا کیا ستم سہہ کے

چمن میں بھیج دے بلبل کی خاطر پیرہن اپنا
عرق کی بو سے جو بن موسم گل سب چمن مہکے

نہیں ساقی ہوائے ابر میں اب ہرکھا مریئے
یہ سبزہ لہلہاوی باغ میں اور سرویں لہکے

بہا کر لے چلی ہے آنسوؤں کی موج حسرت کو
مزا ہو اوسکے کوچے میں جو جا نکلے کہیں بہہ کے

کھینچتا ہوں نالۂ جانکاہ دل کے ہاتھ سے
آہ دل کی ہاتھ سے صد آہ دل کی ہاتھ سے

میں کہاں کوچہ کہاں تیرا مجھے کیا کام ہے
آنکلتا ہوں ادھر کو گاہ دل کی ہاتھ سے

گو وہ پیاسا ہی لہو کا تیرے تو حسرت نہ ڈر
موت آپہونچی نہ جب تک قتل قاتل کیا کرے

ممکن نہیں کہ جائے تو آہوں سی جل نہ جاے
بن دیکھے اوسکی بین مروں امکان ہی نہیں
مدت تلک رہیگا مرے جی میں دردِ ہجر
گر آج دوستی ہی تو کل پھر ہے دشمنی
اپنی طرف سی تھام رکھوں گا زبان و دل

سر پر مریض ہجر کے ہرگز اجل نہ جاے
ای ہجر اگرچہ آئی ہوئی موت ٹل نہ جاے
یہ غم تو وصل کی بھی ہوئے آج کل نہ جاے
مشکل یہ ہی کہیں تری حالت بدل نہ جاے
پر اشک کا ہی ڈر کہیں آنکھوں سے ڈھل نہ جاے

حسرت کو مت سنائیو جاتا ہی یار کل
ہی بے قرار آج ہی کہیں جی نکل نہ جاے

تو ہی بے درد تجھ سے کیا کہیئے
ہم تمھارا گلہ کریں سچ ہے
ہم ہیں بندے ہمارے حق بہ طرف
جان میں دل میں وہی ہی ہر آن
ہم تو کچھ تم سے کہہ نہیں سکتے
گُل سی لے خار تک جہان کے بیچ
زاہدو یہ مقامِ عبرت ہے

دل کا احوال کس سے جا کہیئے
جھوٹی باتیں بنا بنا کہیئے
تجھ کو اے بُت اگر خدا کہیئے
کہیئے کیوں کر اوسے جُدا کہیئے
چاہیئے سو بُرا بھلا کہیئے
کس میں نہیں جلوہ یار کا کہیئے
کس کو بندہ کسے خُدا کہیئے

وہ تو بیگا نہ بھی نہیں حسرت

اگر وہ آنکلے اس طرف کو عجب ہی پھر تو بہار ہووے
ہمیں ہی فرمائیے کہ آویں تمھاری محفل میں گاہ گاہے
اگر تمہیں کچھ غریب خانے کے آنے سے ننگ و عار ہووے
بغیر اوسکے ہمیں تو اک دم بھی زیست کرنی ہوئی ہے مشکل
خدا ہی جانے کہ مہربان ہمسیہ کس گھڑی وہ نگار ہووے
ہوا ہوں میں مست جام الفت کا ساقی عرفاں کے میکدے سے
یہ وہ نہیں ہے کہ جس کا کم ہووے نشا ریا کچھ خمار ہووے
صبا گذر ہے ترا تو ہر سو بیان کیجو یہ حال میرا
گر اوس تغافل شعار کی بھی گلی میں تیرا گذار ہووے
کبھی ٹپکتا تھا سر کو حسرت کبھی تڑپتا تھا مثل بسمل
خدا کی سوگند اگر ذرا بھی اوسے ترے بن قرار ہووے

سر پہ جس کے یہ بلائے غم ہو نازل کیا کرے
حق بجانب دل کی بیتابی سوا دل کیا کرے
چین نہیں واں جائے بن جائے تو ہو رسوائے خلق
ہر طرح سی دوستو ہے دل کو مشکل کیا کرے
رحم آتا ہی مجھے دل پر کہ اسکو ضعف سے
چلنے کی طاقت نہیں اور دور منزل کیا کرے
دل کرے گر نالہ و فریاد تو معذور رکھ
ہو گیا ہی خنجر مژگاں نے گھائل کیا کرے
جھوٹ کہتی ہو کرے گا تجھکو اب صیاد ذبح
مجھ سی صید ناتواں کو کرکے بسمل کیا کرے
کھینچے ہی ہر عضو کی اوسکے ادا دل کو مرے
گر نہ ہو جاوے مرا دل وسپہ مائل کیا کرے

ہمارے درپے آزار مت ہوا اے ظالم
جئیں گے کاہے کو دن رات کے ستانے سے

مثال نقش قدم یاں سے اوٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں ہمیں نجانا بھلا تھا جانے سے

تسلی ہے دل بیمار کو ترے باعث
خدا کے واسطے مت اوٹھ مرے سرہانے سے

کسی کا حال کوئی پوچھتا نہیں ہرگز
وفا کا رسم اوٹھا حسرت اِس زمانے سے

تو وہ کافر ہی خدا کا بھی ذرا ڈر نہ کرے
حشر کے معرکہ میں ظلم کو کمتر نہ کرے

جی کو لیجائے اگر تن سے تو ہم راضی ہین
ہم کو یہ ڈر ہی کہ غم دل ہیں کہیں گھر نہ کرے

بدگماں یار ہی اتنا کہ مرے مرنے کی بات
سوکہی جاکے کوئی ایک بھی باور نہ کرے

کوئی ایسا نہیں جو جا کہے اوس ظالم سے
گاہے گاہے تو کرے یاد گر اکثر نہ کرے

وہ وفادار ہے تو یار کہ گر مرجاؤں
نعش پر آکے مری چشم ذرا تر نہ کرے

آہ حسرت سے ترا دل تو نہیں ہوتا نرم
حق تعالیٰ دل انسان کو پتھر نہ کرے

نہ وہ ہی آتا ہے اس طرف کو نہ اپنا اُودھر گذار ہووے
بھلا ہے پھر کون ڈھب کہ صحبت ہماری اوسکی برار ہووے

یہی تمنا ہے اپنی یارو کہ مہرباں ہم پہ یار ہووے
نہیں ہے کچھ غم اگرچہ اپنا جہاں میں دشمن ہزار ہووے

چمن میں ہر گل ہمارے آگے بغیر اوس کے تو خار ہوگا

عجب کیا ہے مرا دشمن جو وہ جانانہ ہو جاوے
یہ عشق ایسا ہے جس سے آشنا بیگانہ ہو جاوے

بلا ہے مہر بتاں ہے آہ میرے کعبۂ دل میں
قیامت ہے خدا کا گھر اگر بتخانہ ہو جاوے

جو زلف یار کو ٹک میل ہووے شانہ کرنے کی
دل صد چاک میرا بھی برنگ شانہ ہو جاوے

تری زلف اور نگہ کو اور حیا کو دیکھ دل میرا
گہے دیوانہ گہہ مستانہ گہہ فرزانہ ہو جاوے

میں ڈرتا ہوں کہ سب عالم میں جوں فرہاد اور مجنوں سا
کوئی دن کو مرا بھی ماجرا افسانہ ہو جاوے

نہ یہ شعر تو اب حسرت شیریں زباں ہم نے
غزل کوئی اب نہ میں ہیں اور بھی نہ جانا نہ ہو جاوے

جنوں میرے کو سنکر قیس بھی دیوانہ ہو جاوے
جو دیکھے شمع جلنے کو مرے پروانہ ہو جاوے

جفائے عشق سے اے دل ہوا نا آشنا بھی تو شاکی
نہیں لازم خفا مہمان سے صاحب خانہ ہو جاوے

کرے بے مست تو جام نگہ سے ساری مجلس کو
ادھر بھی ساقیا یک گردش پیمانہ ہو جاوے

یہ دانے آنسوؤں کی خاک میں شب رات بوتا ہوں
بہت حاصل ہے ڈر سبز اگر اک دانہ ہو جاوے

مرا دل داغ ہے حسرت جہاں آباد کے غم سے
ہزار افسوس یہ گلزار یوں ویرانہ ہو جاوے

پھٹکنے دو وہ مجھے سر ادھکے آستانے سے
خبر کروں ہوں میں اپنی اسی بہانے سے

جو آئیے تو میاں جان جان تم سے ہے
کہ جان آوے گی تن میں تمہارے آنے سے

رکھائیاں تو کبھی آگے ہم سے اتنی نہ تھیں
یہ باتیں کرنے لگے غیر کے سکھانے سے

جلے تو آپ ہی جلے دل مزار پر اپنے
نہیں کسو کو ہے غرض شمع کے جلانے سے

جوان ہو چکے نام خدا میاں صاحب
پر اب تلک بھی لڑکپن کی تم سے خُو نہ گئی

نجانوں کیا تجھے الفت تھی گُل سے اے بُلبُل
کہ اپنی جی سے گئی پر چمن سے تُو نہ گئی

غبار ہو کے صبا سے ملکہ واں پہونچے
غرض کہ خاک ہوئے تو بھی آرزو نہ گئی

نکل گئی ترے جانے کے بعد جان میری
دریغ ہی کہ میاں تیرے روبرو نہ گئی

نہ پہونچی ہو تو ترے گوش تک نہ پہونچی ہو
وگرنہ کب مری فریاد کو بکو نہ گئی

ہوا ہی مست تو کس کی نگہہ سے اے حسرت
کہ مرتے مرتے تلک تیری ہائے ہو نہ گئی

اوس زلف میں جا وفات پائی
اس دل نے عجب ہی بات پائی

تو مجھ کو تو قتل کر کے چھوٹا
مین نے غم سے نجات پائی

کرتا نہیں بات تو کسی سے
اب ہم نے یہ تیری بات پائی

بوسہ پاویں جو دولتِ حُسن
تو جانین ہم بھی زکات پائی

اب دیکھئے کتنے ہو ویں بے دل
دل لینے کی تم نے گھات پائی

معشوق تو نیک ذات ہیں سب
پر ہم نے تمھاری ذات پائی

اے روزِ وصال شام غم سے
مر کر ہم نے حیات پائی

کیا ہے شطرنج عشق کی چال
نت بازی اپنی مات پائی

حسرت نے کیا کہوں کہ تجھ میں
بخشش کی سو صفات پائی

کہہ وہ اپنی مُنہ سی قتل حسرت کو کیا میں نے
مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے

چین نہیں ایک آن کیا کیجے — مفت جاتی ہی جان کیا کیجے
عشق جیتا ہمیں نہ چھوڑے گا — الامان الامان کیا کیجے
روز و شب ہی تلاش پر اوسکا — نہیں ملتا نشان کیا کیجے
تجھ سے کیا کہیئے درد دل لیکن — نہیں رہتی زبان کیا کیجے
تیری گردش نہ گئی کسی عُنوان — ہائے اے آسمان کیا کیجے
ہم سی کیا پُوچھتا ہی حال ای شوخ — اس عیاں کا بیان کیا کیجے
آپ کے اس غرور کرنے پر — کہیئے اے مہربان کیا کیجے
قاعدہ ہی کہ ملئے جس سے آہ — پھر بھلا اوس سی شان کیا کیجے
آتی ہیں بات بات پر ہر دم — رنجشیں درمیان کیا کیجے
جتنا مقدور تھا نباہ کیا — چھوٹیئے اب ندان کیا کیجے

مفت مرتا ہے غم سے حسرت نام
ایک بیکس جوان کیا کیجے

موا میں تو بھی تری چشم کی کبھو نہ گئی — یہ شکر ہے کہ گیا جی پر آبرو نہ گئی
تری تلاش میں ظالم میں دل کو بھی کھویا — یہ تو بھی جی سے مرے تیری جستجو نہ گئی
بہار ہو چکی اور شور بُلبُلوں کا گیا — مرے دماغ سی اوس گُل کی ہائے بُو نہ گئی

کون لا پہونچائی بلبل تک قفس میں بوئی گل / کام اُس مہجور بیدل کا صبا کے ہاتھ ہے

چشم جوں آئینہ کھولی پر تماشا کیا کریں / دید اور وا دید سب اوس خود نما کے ہاتھ ہے

اے خدا بادِ مخالف کھینچ اسکو لے چلی / ہم سمجھتے تھے یہ کشتی ناخدا کے ہاتھ ہے

ق

منتظر ہی اوسکے آنے پر مری جاں اے اجل / اور شتاب آنا نہ آنا دِلربا کے ہاتھ ہے

تجھ سی ہوتا ہوں خجل آئی ہی تو سو باریاں / کیا کروں یہ جی گرو اک بیوفا کے ہاتھ ہے

تجھ سی رخصت ہو چلا جیوے نہ جیوے دیکھیے / یار اب حسرت کا پھر ملنا خدا کے ہاتھ ہے

چھنے تیرِ نگہ سی دل اگر یوں ہو تو بہتر ہے / بنے غربال کی صورت جگر یوں ہو تو بہتر ہے

سیاہی چشم کی جائے سفیدی سر بسر چھائے / ترے حسرت زدوں کی شب سحر یوں ہو تو بہتر ہے

نگاہِ لطف غیروں پر ہمیشہ جسطرح سی ہے / ادِھر کو گاہے گاہے بھی نظر یوں ہو تو بہتر ہے

شراب و ساقی و مطرب ہو تو کیفی ہوا اور مین ہوں / اگر یک شام بھی پیارے سحر یوں ہو تو بہتر ہے

دل و جاں سب سُلگ جائی جگر میں آگ لگجائے / ترا اے آہ سینے میں گذر یوں ہو تو بہتر ہے

فدا ہو جی مرا تیری ادا پر اے پری پیکر / ترے قربان ہوں بارِ دگر یوں ہو تو بہتر ہے

نہ ہووے یار کچھ ہمراہ نہ کوئی رفیق اپنا / سرائے دہر سی یارو سفر یوں ہو تو بہتر ہے

مرے بالیں پہ تو بیٹھا ہو تو سر پر اجل آوے / مری یہ عمر ای جاناں بسر یوں ہو تو بہتر ہے

ق

رقیبوں پر ترحم ہی سدا ہم پر ستمرانی / نہیں اس وضع میں خوبی مگر یوں ہو تو بہتر ہے

کہ اون سے حرف گم کہنا ہمارے پاس نت رہنا / اودھر وہ ہوں تو بہتر ہی ادھر یوں ہو تو بہتر ہے

ہم کو مشکل ہے پھڑکنا قوت پرواز کو
اس قفس میں ہم رہی تس پر بھی پربستہ رہے

خلق تو خالی ہوا ہی اوسکی قید زلف میں
گور پر حسرت کی بت سنبل کا ایکدستہ رہے

دل نالاں ہمارا یوں تو کب فریاد کرتا ہے
اذیت تجھ سی جب پاتا ہی تب فریاد کرتا ہے

تو ہی بے رحم ہے یا دل مرا بے صبر کچھ تو ہے
کوئی بھی ای ستمگر بے سبب فریاد کرتا ہے

ہزاروں لٹ گئی ہیں قافلے راہ محبت میں
مرے دل کا جرس یارو یہ اب فریاد کرتا ہے

دل نالاں کو میرے مرغ دستاں نہ پہونچے گا
یہ جب فریاد کرتا ہی غضب فریاد کرتا ہے

دلا تجھکو نہیں معلوم یہ جا کون سی جا ہے
گلی میں یار کی ای بے ادب فریاد کرتا ہے

صدائے نے نہیں یہ آواز پر تاثیر کب ہووے
ہمارا اس سی ہے دمساز اب فریاد کرتا ہے

تجھے بھی رحم کچھ آتا ہی میری آہ و زاری پر
رولاتا ہی یہ اک عالم کو جب فریاد کرتا ہے

نہ تنہا میں ہی تیرے جور سے فریاد کرتا ہوں
ترے ہاتھوں سے ظالم شہر سب فریاد کرتا ہے

سنا ہی تو نے بھی ای بے خبر حسرت ترے غم میں
ذرا لیتا نہیں دم روز و شب فریاد کرتا ہے

اب تو یہ دل اک بت ناآشنا کی ہاتھ ہے
اوسکے ہاتھوں چھوٹنا اوسکا خدا کی ہاتھ ہے

ہر بہانے موت ہی سنتے ہیں پیارے یہ مثل
سو اجل میری ترے جور و جفا کے ہاتھ ہے

میری اس مشکل کو آسانی ہو کس صورت سے ہائے
کچھ تیری شمشیر کے اور کچھ قضا کے ہاتھ ہے

ہم نشیں جیتے بچیں گے ہم نہ اوسکی زلف سے
ایک دل رکھتے تھے ہم سو بھی بلا کے ہاتھ ہے

اور جو کہے کباب ہی کرنے میں ہے مزا
کہیو مزا کباب کا کب بن شراب ہے

اور جو کہے پیوں گا شراب اوسکے خون کا
کہیو کہ خون پیجیو کیا اضطراب ہے

اور اضطراب ہی اوسے ہوئے تو کہیو تو
پھر ڈھیل کیا ہی کس لئے یہ اجتناب ہے

ہاں اجتناب اہل جہاں سے جو ہوا وسے
کہیو کہ یہ جہان جو ہی مثل خواب ہے

اور جو کہے کہ خواب تو دیکھا ہی تو نے کچھ
کہیو کہاں ہی خواب جہاں آفتاب ہے

اور آفتاب کو جو وہ پوچھے کہ ہے کہاں
کہیو نپوچھ پوچھ اوسے تجھ سے حجاب ہے

اور جو کہے حجاب ہی حسرت سے ہے مجھے
کہیو کہ لکھ دے بات یہ تیری کتاب ہے

کم ملے صبر و سکوں اور درد و غم ستا رہے
کارفرما عشق ہو تو ملک دل بستا رہے

ای فلک وہ دن بھی کوئی ہوگا جو اک دن تمام
میں ادھر روتا رہوں اور وہ اودھر ہنستا رہے

عزم تو ہی قتل کا میرے کہیں ایسا نہو
جی نکلجاوے مرا اور تو کمر کستا رہے

لہر پر کیوں کر نہ لہراوی خیال اوس زلف کا
رات دن جب ناگ سا دل کو مری ڈستا رہے

فارسی کی قافیوں کی اس زمیں میں کہہ غزل
ہندسی حسرت جو ایراں ک تئیں رستا رہے

ناگ دلبر تیری اس ابرو کی پیوستہ رہے
کیونکہ قبضے میں تیر از کماں جستہ رہے

جب سے آزادی کا پیشانی پہ کھینچا ہے الف
قید سے ہم دو جہاں کی تب سے وارستہ رہے

کام دل کا بر نہ لاوے شکر و بادام دوست
ہم ہمیشہ تلخ کام اور ہائے دلخستہ رہے

بہت پڑھتا ہے تو حسرت رباعی ریختی فرد یں
تو بلبل ہے کہ طوطی ہے غزل گو ہے کہ آفت ہے

گہہ سوگ میں دل کے رہے گہہ جی کے ماتم میں رہے
جب تک کہ ہم جیتے رہے یا درد یا غم میں رہے

کوئی دم کا ہیں مہماں ہوں یہ وقت جانے کا نہیں
مت اُٹھ تو بالیں سے مرے جب تک کہ دم میں دم رہے

تو رحم کر یا ظلم کر اپنی یہی ہے آرزو
جی میں تری خواہش رہے جب تک کہ جی ہم میں رہے

اے وائے خوں بہنے لگا دن رات کے رونے سے اب
سچ ہے کہ آنسو تا کجا اس چشم پُرنم میں رہے

حسرت کا قتل ایسا نہیں جو یوں چھپائے چھپ سکے
یہ بات تا روزِ جزا کہنے کو عالم میں رہے

قاصد یہ کہیو خط کا مرے کیا جواب ہے
گر دے جواب کہیو کہ یہ ناصواب ہے

اور ناصواب منہ سے اگر تجھکو کچھ کہے
کہیو کہ ناصواب یہ کہنا عذاب ہے

اور جو کہے خراب وہ ہوشے تو ہونے دے
کہیو ہوا خراب وہ بے صبر و تاب ہے

اور جو کہے کہ تاب نہیں ہے تو کیا کروں
کہیو کہ جور اتنا نہ کر بے حساب ہے

اور جو کہے حساب نہیں میرے جور کا
کہیو کہ جور ہی سے دل اسکا کباب ہے

نیم جاں بسمل تڑپتا دیکھ کر دل کو مرے
سب لگے کہنے کسی پُر درد کا نخچیر ہے

قیس کو جنگل میں مارا کوہ کن کو کوہ میں
عشق سچ بتلا یو اب میری کیا تدبیر ہے

جس کو دیکھا تک رہا ہی مُنہ ترا حیرت سے یار
دیکھیو محفل میں تیری عالم تصویر ہے

یار رخصت کو اوٹھا ہی پل میں اب کرتا ہی کوچ
حشر کیوں برپا نہیں ہوتا ہی کیا تاخیر ہے

رات دن کیوں ہی تو میرے قتل کی تدبیر میں
جو تری تدبیر ہی سو ہی مری تقدیر ہے

پاس سی کیوں اوٹھ گیا کیا گم ہوا کس کا ہی غم
کیا ہوا حسرت تجھے کیوں اس قدر دلگیر ہے

تو بجلی ہے کہ شعلہ ہے تو مہ رو ہے کہ آفت ہے
غضب تو ہے کہ فتنہ ہے بلا تو ہے کہ آفت ہے

نہ پہونچے تیغ نہ محراب نہ طاق اور نہ ماہِ نو
کماں کہیئے کہ قوس اوس کو یہ ابرو ہے کہ آفت ہے

کئی رووں کئی تڑپیں کئی ہیں جاں بلب اس میں
یہ مشہد ہے کہ مقتل ہے ترا کو ہے کہ آفت ہے

نہ دل چھوڑے نہ جاں چھوڑے نہ چھوڑے دین نہ ایماں
بلا کہیئے کہ زلف اس کو یہ گیسو ہے کہ آفت ہے

تری ہے چشم یا بادام یا ہے جام یا کیفی ؟
یہ نرگس ہے کہ آہو ہے یہ جادو ہے کہ آفت ہے

بہت پڑھتا ہے تو حسرت رباعی ریختی فسر دیں
تو بلبل ہے کہ طوطی ہے غزل گو ہے کہ آفت ہے

گہ سوگ میں دل کے رہے گہ جی کے ماتم میں رہے
جب تک کہ ہم جیتے رہے یا درد یا غم میں رہے

کوئی دم کا میں مہماں ہوں یہ وقت جانے کا نہیں
مت اُٹھ تو بالیں سے مرے جب تک کہ دم میں دم رہے

تو رحم کریا ظلم کر اپنی یہی ہے آرزو
جی میں تری خواہش رہے جب تک کہ جی ہم میں رہے

اے واے خوں بہنے لگا دن رات کے رونے سے اب
سچ ہے کہ آنسو تا کجا اس چشم پُرنم میں رہے

حسرت کا قتل ایسا نہیں جو یوں چھپائے چھپ سکے
یہ بات تا روزِ جزا کہنے کو عالم میں رہے

قاصد یہ کہیو خط کا مرے کیا جواب ہے
گر دے جواب کہیو کہ یہ ناصواب ہے

اور ناصواب منہ سی اگر تجھکو کچھ کہے
کہیو کہ ناصواب یہ کہنا عذاب ہے

اور جو کہے خراب وہ ہوئے تو ہونے دے
کہیو ہوا خراب وہ بے صبر و تاب ہے

اور جو کہے کہ تاب نہیں ہی تو کیا کروں
کہیو کہ جور اتنا نہ کر بے حساب ہے

اور جو کہے حساب نہیں میرے جور کا
کہیو کہ جور ہی سے دل اوسکا کباب ہے

نیم جاں بسمل تڑپتا دیکھ کر دل کو مرے
سب لگے کہنے کسی بے درد کا نخچیر ہے

قیس کو جنگل میں مارا کوہ کن کو کوہ میں
عشق سچ بتلا یو اب میری کیا تدبیر ہے

جس کو دیکھا تک رہا ہے مُنہ ترا حیرت سے یار
دیکھیو محفل میں تیری عالمِ تصویر ہے

یار رخصت کو اوٹھا ہے پل میں اب کرتا ہے کوچ
حشر کیوں برپا نہیں ہوتا ہے کیا تاخیر ہے

رات دن کیوں ہے تو میرے قتل کی تدبیر میں
جو تری تدبیر ہے سو ہے مری تقدیر ہے

پاس سے کیوں اوٹھ گیا کیا گم ہوا کس کا ہے غم
کیا ہوا حسرت تجھے کیوں اس قدر دلگیر ہے

تو بجلی ہے کہ شعلہ ہے تو مہ رو ہے کہ آفت ہے
غضب تو ہے کہ فتنہ ہے بلا تو ہے کہ آفت ہے

نہ پہونچے تیغ نہ محراب نہ طاق اور نہ ماہِ نو
کماں کہیئے کہ قوس اوس کو یہ ابرو ہے کہ آفت ہے

کئی روویں کئی تڑپیں کئی ہیں جاں بلب اس میں
یہ مشہد ہے کہ مقتل ہے ترا کُو ہے کہ آفت ہے

نہ دل چھوڑے نہ جاں چھوڑے نہ چھوڑے دین نہ ایماں
بلا کہیئے کہ زلف اس کو یہ گیسو ہے کہ آفت ہے

تری ہے چشم یا بادام یا ہے جام یا کیفی ہے
یہ نرگس ہے کہ آہو ہے یہ جادو ہے کہ آفت ہے

جسے چاہئے اوسکے سب جور سہئے
گلہ مجھ سے ہر بار ہر آن کیا ہے

کئے نالے دو ایک تو قہر آیا
بہے آنسو دو اک تو طوفان کیا ہے

اب آنسو بہاؤ کہ نالے سناؤ
سمجھ لو تمہیں مجھپہ احسان کیا ہے

یہ ارمان ہے تو نے اتنا نہ پوچھا
کہ حسرتؔ ترے دل میں ارمان کیا ہے

کون سا مہ پارہ یارب بر کنارِ آب ہے
عکس جبیں کا موج پر بیتابیِ سیماب ہے

ای فلک کیا ظلم ہی ٹک ہاتھ اوٹھا بیداد سے
فکر تجھکو قتل کا مجھکو غمِ احباب ہے

جاں بلب پہونچی نہ کیونکر رخصتِ جاناں کے وقت
ساتھ جانا رسم مہماں دار حتی الباب ہے

شمع رکھتی ہی پتنگوں کے جلانے ہی کا فکر
آشنا ملتا زمانے میں بہت کمیاب ہے

اے اجل تو ہی کرم کر جو وہ آوی نعش پر
ملنی کا اون بت کی ہم سی یہ بھی اک اسباب ہے

طاق میں مسجد کی رکھ سجدی کو اپنے شیخ تو
سر جھکایا میں جہاں وہ تیغ کی محراب ہے

دل جلا جاتا ہی اوس بن چاندنی کو دیکھ کر
صبح محشر ہو الٰہی یا شبِ مہتاب ہے

ترے آنے سے عجب حیرت ہوئی حسرتؔ کی بیچ
دل میں کہتا ہی کہ بیداری ہی یہ یا خواب ہے

شاید اس دامن میں پیاری خون بے تقصیر ہے
تیرا دامن آج کیوں تیرا گریباں گیر ہے

خوف کر اس آہ سی ہر چند بے تاثیر ہے
گو نہیں پیکاں اس میں لیکن آخر تیر ہے

دل تو کہتا ہی جنوں کی چل بیاباں کی طرف
عقل کہتی ہی کہ تیرے پاؤں میں زنجیر ہے

مجھے افسوس آتا ہی کہ تیری نوجوانی ہے

سینہ مین میرا دل ہی کہاں دشمنِ جاں ہے
صد حیف کہ گھر ہی مین نہاں دشمنِ جاں ہے

پروانے سی کیا شمع نے کی عشق مین یارو
جس دوست کو دیکھا سو یہاں دشمنِ جاں ہے

اے شمع نہ لا سوز محبت کو زبان پر
چلتی ہی ابھی تو یہ زباں دشمنِ جاں ہے

غم سی نہیں بچنے کی میری جان کہ یہ غم
جیدھر مین گیا درپئے جاں دشمنِ جاں ہے

ای طفل عجب سحر کیا حسن نے تیرے
آپس ہی میں ہر پیر و جواں دشمنِ جاں ہے

مشکل ہی کہ گر آہ کروں تو تو جلے دِل
اور جو نکروں ضبطِ فغاں دشمنِ جاں ہے

رکھتا ہی نگیں نام کی باعث دلِ صد ریش
باز آؤ کہ یہ نام و نشاں دشمنِ جاں ہے

خوبانکی محبت پہ جو بھولا سو رہا ٹھور
سنتا ہی دلا مہر بتاں دشمنِ جاں ہے

اب دوست نہ دی اسکو نہیں دوست کی تقصیر
سچ یوں ہی تو ہی اپنا میاں دشمنِ جاں ہے

حسرت تو کہا مان نہ جا اوس کی گلی میں
تیرا در و دیوار وہاں دشمنِ جاں ہے

ترے سامنے ہو یہ دل جان کیا ہے
غضب ہی بلا ہے تری آن کیا ہے

ارے دل بتا کس ستمگر کو دیکھا
نہیں آج کچھ تجھ میں اوسان کیا ہے

کہا کرتے ہیں پھر نہ ملئے گا اوس سے
پر اوس سی نہ ملئے یہ امکان کیا ہے

کسے یاد کر کر یہ طوفان مچایا
تجھے آج اے چشم گریان کیا ہے

بہایا نہ مجھے تم نے اے دیدہ ؤ دل
پھر اب گریہ و آہ و افغان کیا ہے

خدا رس گر ہوا چاہی تو دل کا پاس رکھ زاہد
کہ گھر اللہ کا ای نیک منش جان یا دل ہے

مرے دل کو کیا پامال دشمن اپنے کوچے میں
سمجھتا قدر تب اس دل کی وہ جب جانتا دل ہے

شہ عادل نکمہ جو خلق کو تنبیہ کرتا ہو
سیاست اپنے اوپر جب کرے تب جان عادل ہے

نہیں معلوم تجھکو مستعد کل رات مرنے پر
ترے کوچے میں جو مرتا قدم سب جان تھا دل ہے

مرا ہی دل ہی یہ جو نت جلے ہی ورنہ پروانہ
جلا دی آتش ہجراں میں ہر شب جان کیا دل ہے

نہیں حسرت کا دل کمتر میں جو خوباں سے یہ پھیرے
عبث ای ناصح بیہودہ ستا جان کیا دل ہے

برنگ آبلہ ای وائے یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتی ہیں اسیکو سرگرانی ہے

حباب آسا جہاں کو بحر میں جب غور کر دیکھا
تو اک پل آنکھ کی کھلنے میں اپنا جسم فانی ہے

خدا جانے کہ وہ برق تجلی کیا کرے ہم سے
یہاں نت شوق دیدار اور وہاں نت لن ترانی ہے

فلک نے کوئی اسباب طرب باقی نہیں چھوڑا
مگر باقی ہی غم اسکا بڑی یہ شادمانی ہے

نہ کہیئے تو نہیں بنتا اگر کہیئے تو کیا کہیئے
غرض یہ جی ہی اور غم دل ہی اور درد نہانی ہے

ملانا خاک میں دن رات جلتا خون دل پانا
خدا کے واسطے ای چشم یہ کیا خونفشانی ہے

جگر کٹتا ہی تب ایک لخت ند پانی کی نکلتی ہے
نہیں یہ سیل ای ظالم سرشک ارغوانی ہے

کہاں فرہاد و مجنوں لو اپنی ؟؟ فی الحقیقت ہی
فسانہ اون کے غم کا جو جو عالم کی زبانی ہے

ہمارا داستان دل تو کہنے میں نہیں آتا
اگر کہیئے تو اوسکے آگے وہ قصہ کہانی ہے

ملا ہی جا کے ای حسرت تو اوس خونخوار ظالم سے

ق

گئے ہم اتفاقاً رات حسرت کے مزار اوپر
جو دیکھا تو بشدت آتشِ سوزاں فروزاں ہے

تعجب ہم کو آیا کھول کر دیکھا جو مرقد کو
نہ جسم و پوست باقی ہی نہ نامِ استخواں ہے

مگر اک راکھ کا تودہ پڑا ہی اور اوس میں سے
پیاپے شعلہ اوٹھتی ہیں اور اک اخگر سا پنہاں ہے

شروعِ عشق ہی اے ہمنشیں اور جوشِ سودا ہے
نہ کر زنجیر مجھکو میں ہوں اور دامانِ صحرا ہے

سحر کہتے ہو شب آؤں گا شب وعدہ سحر کا ہے
سویرے جی چکے ہم گر یہی امروز فردا ہے

جہاں دشمن ہی سب تیرے لیے ہم بیکس و تنہا
ترے کوچے سوا ہم کو نہ ماوا ہی نہ ملجا ہے

قفس میں بلبلیں کہتی تھیں کل صیاد سے رو رو
ہماری جان جاتی ہی تجھے ظالم تماشا ہے

نہیں رنگِ بقا باغ جہاں میں ہرگز اے گلرو
کسی سے یاں جو کوئی دل لگاوے محض بیجا ہے

نہیں ملتا وصالِ یار ایک اور عمرِ رفتہ بھی
وگرنہ زر سے دنیا میں جو کچھ چاہو مہیا ہے

شراب و مطرب و سیرِ چمن اور دید یاروں کا
غنیمت ہی جو دم ہی زندگی کا کیا بھروسا ہے

کسی کا جی نکلتا ہی کوئی ہی جاں بلب ظالم
شتابی آکہ تجھ بن ایک جہاں پر حشر برپا ہے

مجھے آتا ہی رونا تیری نادانی پر اے حسرت
کوئی لڑکا بھی دل سی شی کو ظالم مفت کھوتا ہے

بضاعت میں ہماری مہرباں اک جان یا دل ہی
سو کیا کہیے تمہیں لینے سے مطلب جان یا دل ہے

کیا کرتی ہیں شکوے تیرے جور و ظلم کے دونوں
کہے ہے جان سے دل اور مخاطب جان کا دل سے ہے

بلا سے ایک بھی ان میں سے بے غم ہو تو جیتا ہو
مرے پہلو میں غمگیں ہائے یا رب جان اور دل ہے

عشق میں کیا جی کا ڈر یہ بات تو مشہور ہے

جگر سوزاں ہے دل بیتاب ہے اور چشم گریاں ہے
الٰہی دن ہے یہ میرے مرگ کا یا شام ہجراں ہے

جو ایسا ہی دلِ دیوانہ میرے درپئے جاں ہے
تو پھر اک روز میرا ہاتھ اور اوسکا گریباں ہے

اگر چشم حقیقت کو ذرا تو کھول کر دیکھے
تو اے یعقوب ہر اک مصر میں ماہ کنعاں ہے

مدد کر جلد اے وحشت کہ میرے پاؤں کے چھالوں کا
پیاسا منتظر جنگل میں ہر خارِ مغیلاں ہے

الٰہی سامنے ہوتے ہی دل کے پار گذرے ہے
سناں ہے تیر ہے خنجر ہے یا یہ نوکِ مژگاں ہے

بھلا پھر کس سے الفت کیجئے اور کس کو دل دیجے
جسے ہم دوست سمجھے وہ تو اپنا دشمنِ جاں ہے

نہ پوچھو مجھ سے کچھ احوال اوسکی شوخ چشمی کا
یہ آہو بل رہا ہے سب سے اور مجھسے گریزاں ہے

برنگ شمع دل جلتا ہے تربت پر مری سو بھی
چراغِ صبح کی مانند کوئی دم کا مہماں ہے

یہ کس کی نعش جاتی ہے کہ جسکے ساتھ ہے گردوں
غم و درد و الم فریاد و افغاں مرثیہ خواں ہے

ق

صفا و خوبیٔ رخسار آتش رنگ کو تیرے
نہ تنہا جب سے دیکھا ہے فقط آئینہ حیراں ہے

ادھر خونِ جگر ہے لالہ پُر داغ حسرت ہے
اودھر سنبل کو دیکھا زلف کا تیری پریشاں ہے

غرض جتنے عروسانِ چمن ہیں تیرے والہ ہیں
گل و شمشاد و بید و قمری و بلبل ثنا خواں ہے

سوا اسکے جو کوئی دیکھتا ہے تجھ کو کہتا ہے
فرشتہ یا پری ہے حور ہے غلماں ہے انساں ہے

نہیں آیا ہے اس نقشہ کا چہرہ دید میں آگے
فلک سے کیا زمیں کے اوپر آیا مہر تاباں ہے

یہ منہ کیا ہے اچنبھا ہے یہ کیا ہے اسکو کیا کہیے
سہا ہے مشتری ہے زہرہ ہے ماہِ درخشاں ہے

غرض جب عقل ہو جاتی ہے حیراں تب یہ کہتی ہے
کہ حق کا پرتو ہے جسکا یہ جلوہ نمایاں ہے

جُدائی کی شبِ اول ہی آفت اوسکی آگے ہے
ابھی تو پہلی منزل ہی قیامت اوسکی آگے ہے

پشیمان دل ہی دیکر مین نہیں کچھ ہوچکا یارو
اگر یہ عاشقی ہی تو ندامت اوسکی آگے ہے

گریباں مین کیا پھر چاک ور ناصح بھی آپہونچا
ہوا نقصان اپنا اور خجالت اوسکی آگے ہے

پسِ دیوار اوسکی دل سی نت ہی اوسکا ہی شکوہ
سناتا ہون اوسی حالت شکایت اوسکی آگے ہے

کسی عنواں یہ دل باز نہیں آتا محبّت سے
ملامت اسکو کرتا ہوں سماجت اوسکی آگے ہے

کہی ہے آپ بھی بدکل کو غیروں سی کہاوے گا
ابھی تو خیر ہی اے بخت شامت اوسکی آگے ہے

دلِ وحشی خفا ہو اوٹھ گیا ہی پاس سی میرے
سفر کا رنج ہی جتنا سو راحت اوسکی آگے ہے

نشاں اوسکا بتادوں مین جو کوئی جاکی لے آوے
یہ جاتا ہی بہت بیتاب طاقت اوسکی آگے ہے

رہی دل خوش تری محفل میں اور حسرت کنے روے
یہ صورت تیری آگے ہے وہ حالت اوسکی آگے ہے

عاشقِ مولیٰ کو منزل دار سے بھی دور ہے
جسنے حق کی بات پہچانی وہی منصور ہے

حشر کا دن ہی وہی جسدن جُدا دلدار ہو
کیا قیامت کس کا محشر کون نفخِ صُور ہے

بُت پرستی سی کروست منع مجھکو زینہار
زاہد جس بُت میں مین دیکھا خدا کا نور ہے

دید کو دلدار کی ای یار آنکھین چاہئیں
مت بھٹک موسیٰ نمط ہر سنگ کوہِ طور ہے

اختیار اور جبر کا تو مسئلہ اب ہم سے پوچھ
ساتھ اوسکی اختیار اور اوس بنا مجبور ہے

بند ہوں مین دام میں الفت کی اور معذور ہوں
پند تو دیتا ہی ناصح عقل سے معذور ہے

سر کو رکھ خنجر تلے حسرت اگر عاشق ہے تو

تری مانند ہم بھی پند دیوین دل کو ای ناصح
پر ای ناداں کسی کی بات کب دیوانہ سنتا ہے

صبا کو اس لئی پیغام مین اپنا نہیں دیتا
کہ اس مین آشنا کی راز کو بیگانہ سنتا ہے

خدا معلوم کیا کیا گفتگو ہی عشق ہی دل سے
نہیں گھر مین جو کچھ ہوتا ہی صاحب خانہ سنتا ہے

گرانی گوش کی اس کی کرے لطف اور بھی پیدا
ہماری بات کو تکرار سے جانانہ سنتا ہے

تجھے رغبت ہو جن باتوں سی ہم کو بھی وہی کہہ دے
ترانہ یا غزل یا شعر یا افسانہ سنتا ہے

سراپا گوش ہوں مین اور سراپا ہوں زبان لیکن
نہ کچھ کہتا ہی مجھ سی شوخ بے پروانہ سنتا ہے

کہے جب بوالہوس حسرت کا یار و مدعی ہوں مین
ہنسے ہی سن کر اسکو جو کوئی فرزانہ سنتا ہے

ہر اک دم سینۂ سوزاں سی میرے دود اٹھتا ہی
کریں جب آب پاشی اشک تب افزود اٹھتا ہے

سنا اے مہر بد ہے صبح کو گر تو نظر آیا
اسی دم خواب سی وہ اختر مسعود اٹھتا ہے

ضرر اور نفع سی کیا عاشقوں کو کام اے ناصح
کہ اول اونکی خاطر سی زیان و سود اٹھتا ہے

ہمارا وہ ایاز ایسا ہی جس کے عاشقوں کو اب
نیا ہر روز ہر یک احمد و محمود اٹھتا ہے

ترے کوچے مین دل پامال ہو یا خاک ہو جاوے
ولے کوئی یہ بن حاصل کئی مقصود اٹھتا ہے

جو ہیں نغمی ترے ناقوس کے یہ جانفزا ترسا
کوئی دم مین عدم کی خواب سی داؤد اٹھتا ہے

جو ابراہیم ثابت ہی تو گلزار او سپہ ہو وی گی
کہاں شعلہ تری آتش سی اے نمرود اٹھتا ہے

بتا حسرت کہ کس کی غم سے بیماری ہوئی تجھکو
کہ تیرے دل سی نالہ آج درد آلود اٹھتا ہے

ٹک بھی صدمہ اوسے پہونچا کہ وہیں چور ہوا
ہی یہ اک شکل حباب اور گماں ہی شیشہ

شیشہ مے پینے کو مطلوب جو ہووے تم کو
ایک ٹوٹا سا تو مجھ پاس بھی ہاں ہی شیشہ

صاف جوں شیشہ ہی اور نام دلِ پُرخوں ہی
لے لو درکار اگر تم کو بتاں ہے شیشہ

جام کی چشم جو دیکھے ہی ترے مُنہ کی طرف
لاکھ حسرت سی یہاں دل نگراں ہی شیشہ

دمِ آخر تو مرے دل میں تو ارمان نہ رکھ
اپنے دیدار سے محروم اب ای جان نہ رکھ

دل کی لینے کو تو آیا تھا سو بس لیکے چلا
اپنا مطلب تھا میاں مجھپہ کچھ احسان نہ رکھ

ہم بھی آوینگے ترے گھر مین بجان و منّت
کون کہتا ہی کہ تو ہم سے میاں شان نہ رکھ

کب مین رویا تری آگے بھلا کس دم کس آں
میری ان آنکھونپہ ناحق کا تو بہتان نہ رکھ

جنگ میں ہوگئی جو بات سو کیا ہی منظور
جانے دے دو گران باتوں کا تو دھیان نہ رکھ

ہم جو کچھ تجھ سی کہیں گے سو بھلے کی تیرے
بات پر غیر کی زنہار تو اب کان نہ رکھ

بیوفا بیٹھنے تو دے کوئی دم اپنے پاس
رات کو گھر میں بھلا مجھ کو تو مہمان نہ رکھ

ای جنوں آوی ہے سینے کے تئیں پھر ناصح
دیکھ کہتا ہوں ذرا بھی یہ گریبان نہ رکھ

عشق بازی تجھے منظور ہی گر اے حسرت
اپنے نزدیک میاں تو سر و سامان نہ رکھ

نہیں اک آہ کرتا جب مرا افسانہ سنتا ہے
پھر اب سو وہ ہے تو کیا در دیدہ دانہ سنتا ہے

نہیں معلوم کیا کیا گفتگو ہے گرم جوشی کی
زبانِ شمع جو کہتی ہے سو پروانہ سنتا ہے

تیرے قربان رہنے دے پیکاں
جی ہی جاوے گا تیرے تیر کے ساتھ

اشک کی فوج ساتھ دل بھی ہے
جیسے سردار ہو بہیر کے ساتھ

خیر دل کی نظر نہیں آتی
آ پڑا کام ایک شریر کے ساتھ

ڈر خدا کا ہے دو بدو ورنہ
بولئے منکر و نکیر کے ساتھ

بات واعظ کی بے نظیر ہے پر
حرف اپنا بھی ہے نظیر کے ساتھ

شیخ سے کیونکہ خوبرو ہوں خوش
ملتے ہیں کب جوان پیر کے ساتھ

تو کہاں ہیں کہاں وصال کجا
نسبت شاہ کیا فقیر کے ساتھ

روز اوٹھ بات اک بناتا ہے
کب نبھے اس بہانہ گیر کے ساتھ

ق

الفتِ یار کتنی اے حسرت
مل رہی تھی ترے خمیر کے ساتھ

وقت مرنے کے مُنہ سے نکلا آج
نام اوسکا دمِ اخیر کے ساتھ

محتسب میری جو بر میں ہے عیاں ہی شیشہ
دیکھ لے آبلۂ دل ہے کہاں ہی شیشہ

وقت مے نوشی جو یوں گریہ کُناں ہی شیشہ
اوسکے عشاق کا دل سمجھو کہاں ہی شیشہ

خالی مت جانیو یہ قلقلِ مینا کی صدا
بزم پر دہر کی یہ خندہ زناں ہی شیشہ

جسقدر ٹوٹے یہ اوتنا ہی ہی خوش اسلوب
سو مری دل کا وہ ای شیشہ گراں ہی شیشہ

شوق مے پینے کا یہ اور مرے دل کو دیکھ
کہتے ہو تم کہ نگہ پر یہ گراں ہے شیشہ

سنگ اسپہ جو لگتا ہی تو جی ٹوٹے ہے
دل نہیں بلکہ یہ میخواروں کی جاں ہی شیشہ

شاعری سے آگے تھا کیا کام حسرت کے تئیں
یہ تمھارے عشق کا ہے ساختہ پرداختہ

چھوٹے گا تجھ سے ظالم بیداد رفتہ رفتہ
کچھ تو اثر کرے گی فریاد رفتہ رفتہ

نام خدا ابھی تو لڑکا ہے دیکھنا تم
کیا کیا ستم کرے گا ایجاد رفتہ رفتہ

جاتا تھا جب تو مکتب کہتا تھا میں تب ہی سے
ہووے گا یہ ستمگر اوستاد رفتہ رفتہ

گر ہمرہِ رقیباں گذرے گا یوں ہی ظالم
جاوے گی خاک میری برباد رفتہ رفتہ

حسرت تو کیوں کڑھے ہے احوال دیکھ دل کا
ہو گا یہ شہر ویراں آباد رفتہ رفتہ

زلف کو گر کہوں میں شام شام نہیں بلا ہے یہ
اور جو بلا کہوں میں نام نام نہیں خطا ہے یہ

یار کو گر کہوں میں بت بت نہیں یہ تو رام ہے
اور جو کہوں میں اسکو رام رام نہیں خدا ہے یہ

بزم سے میرے روبرو اٹھ جو گیا وہ دوستو
کہتے ہو تم کہ ہو گا کام کام نہیں ادا ہے یہ

بادہ برنگ ارغواں پیر کے تئیں کرے جواں
ساقی شتاب لا تو جام جام نہیں دوا ہے یہ

کب کا جگر کباب ہو بھن گیا بلکہ جل گیا
سمجھے ہے اب تلک تو خام خام نہیں رہا ہے یہ

چاند ہے پشت بام پر ساتھ تو رشکِ ماہ ہے
چاہے ہے بیخودی یہ بام بام نہیں ہوا ہے یہ

حسرت اگر قفس میں خوب ہے پر یہ دل کبھی
دیکھیو ان بتوں کا دام دام نہیں دغا ہے یہ

بولوں صیاد ہم صفیر کے ساتھ
آ کے بجھتے ہے مجھ اسیر کے ساتھ

ایک عمر ہیں گذری دن وصل کا نہیں دیکھا
جاگیں گی کہیں یارب یہ طالعِ خوابیدہ

کرتے ہو جو یہ آہیں تم نے بھی دیا ہے دل
معلوم کیا ہم نے مت کیجئے پوشیدہ

قاصد مرے نامہ کو مت کیجیو گم ظالم
کئی لختِ جگر ہیں گا اِس نامہ مین پیچیدہ

جوں دزد کیا حسرت ویران مرے گھر کو
یارب نہ کسیکے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

عشق کے تاریک کوچہ کی نہ لے تو راہ رہ
باولے دل اپنے گرنے کے لئے مت چاہ چہ

تجھ میں اور اوس میں زمیں اور آسماں کا فرق ہی
کب مقابل ہو سکے منہ سے ترے ای ماہ مہ

عاشقوں سا رنگ زرد اوسکا ہوا ہی کس لئے
کہربا سی پوچھ کر یہ بات ٹک ای کاہ کہ

دل کسی کا ہاتھ میں لینا کبا اوسکو یاد ہے
تیغ کی قبضے کی باندھے ہے گہ و بیگاہ گہ

اوسکے کوچے سی جو مین اُٹھ کر چلا کہنے لگا
کیا قدم اوٹھتا ہی جلدی دیکھنا ای واہ وہ

رخ ہوا ہی عشق کی شطرنج مین دل مرا
طرفہ یہ ہی بات ہو پاوے اگر یہ شاہ شہ

مین کہا حسرت کا غم تھوڑا سا ہی سن لی اسے
سن کے بولا کیجے ایسا قصہ کوتاہ تہ

ہو گیا تاراج غم سے یوں دل و جاں باختہ
لوٹ جاوے جوں پرایا ملک فوجِ تاختہ

آگ سی سوزِ جنوں کی اسقدر اُبلا کہ بس
بہ گیا آنکھوں سی میری یہ دل خوں ساختہ

صدمہ پر صدمہ لگے ٹوٹے نہ جو دل ہو گداز
سنگ سی کب چور ہووے شیشۂ بگداختہ

بس کہ مارا گلرخاں سرو قد کے ناز نے
نوحہ گر ہوں مجھپہ آکر عندلیب اور فاختہ

ہے ندیدۂ دل نپٹ دیدار کا
اوسکی ٹھہری ہے گدائی پر نگاہ

دام میں صیاد کے جی لگ گیا
کچھ نہیں ہم کو رہائی پر نگاہ

لب سے نالہ گوش تک پہونچے نہ ٹک
کیجیو اوسکی رسائی پر نگاہ

دربدر حسرت پھروں رُوتا میں کیوں
گر مجھے ہو جگ ہنسائی پر نگاہ

تھوڑی ادا ہے گو کہ نہ ہم پر رہے نگاہ
چلنے میں لیک یار قدم پر رہے نگاہ

ہے زندگی جو یار کی نظروں سے دیکھے وہ
ہم جی چکے جو اوس کی ستم پر رہے نگاہ

ہستی میں ہستی کو کریں ہم دید کس طرح
یاں بیٹھے رہیئے ملک عدم پر رہے نگاہ

پتھرا دیں کیوں نہ دیدے مرے انتظار میں
ہر دم جو بُت کے قول قسم پر رہے نگاہ

صیاد میرا ساری جہاں کو کرے شکار
اور کچھ نہو تو صید حرم پر رہے نگاہ

جب سے اون ابرُووں کے ہوا دیکھنے کا شوق
دن رات میری تیغ کے دم پر رہے نگاہ

عالم میں خوردہ بیں ہیں بہت گر لکھے ہے شعر
حسرت نہ چوکیو تو قلم پر رہے نگاہ

زنہار نہیں پیارے یہ وضع پسندیدہ
ہر آن ہو آزردہ ہر وقت ہو رنجیدہ

آنکلے اگر ایدھر کیا کیجے نثار اُسپر
اک جان ہے سو والہ اک دل ہے سو رنجیدہ

طاقت نہیں فرقت کی پھر مجھ سے جدا مت ہو
آگے ہی میں اے ظالم ہوں سخت ستمدیدہ

دل لے کے نہ کرنی پھر ظالم کبھی دلداری
ہو دیں گی بہت عاشق اس طور سے گرویدہ

جو ہووے ای جاں اسکو ڈرا تو — مجھسے تو واقف ہین تجھ سی آگاہ
ظلم اوسکو کرنا مجھکو اوٹھانا — ہر روز ہر شب ہر سال ہر ماہ
عالم رکھے ہے وہ قد و بالا — بالا کے عالم یہ ہی اپنی تنخواہ
کیون منہ بنایا پیارے نہ دیتا — دینے تھی بوسہ جو گاہ بے گاہ

آنا نجانا حسرت کے پاس اور
ہر دم قسم ہے واللہ باللہ

اشک مسلسل ہی یہ یار گرہ در گرہ — جیسے ہو گوندھا ہوا ہار گرہ در گرہ
رشتۂ الفت مرا سُلجھے کسی سے نہ آہ — ہووے یہ اُلجھا ہوا تار گرہ در گرہ
بسکہ تری زلف میں پیچ ہیں لا انتہا — ہو گیا اوس سے مرا کار گرہ در گرہ
خوشۂ گندم کی طور مزرعۂ ہستی کی بیچ — نخل کو اپنے ملا بار گرہ در گرہ
نالے کرین بند بند نے کے اسی واسطے — یعنی یہ نالاں ہی اور گرہ در گرہ
اونکی تجھی سی ہو کچھ عقدہ کشائی تو ہو — پاؤں کی ہیں آبلے خار گرہ در گرہ

دیکھ کے حسرت کے تئیں کھاوے ہے بل یون رقیب
ہووے ہی جون پیچ کھاتا مار گرہ در گرہ

رات دن ہی بیوفائی پر نگاہ — ٹک تو کیجے آشنائی پر نگاہ
وصل کا اسباب ظاہر میں نہیں — مجھکو ہی اوسکی خدائی پر نگاہ
آشنا جب سے ہوئی تب سے جُدا — کیجیو ٹک اس جُدائی پر نگاہ

سینہ مت کر چاک اس سے ہے مرا دلدار خوب
اے کتاں سُن اس قدر تو نہیں طرحدار وں میں ماہ
لے کھڑا ہوتا ہے ہر شب ایک روپے کا طبق
کر قبول اس کو کہ ہے تیرے خریداروں میں ماہ
زلف کو چہرے سے اپنے دُور کر خورشید رُو
رات کو گنتا ہے اپنے تیئں نمو داروں میں ماہ
وہ تو رووے اور یہ بیدار ہے سر پر مرے
تجھ بنا ہے شمع یا ہے میرے غم خواروں میں ماہ
بزم میں خوباں کی حسرت وہ مرا بدرِ منیر
جلوہ گر یوں ہووے جیسے اور شب تاروں میں ماہ

تجھکو ہی گر قتل کی چاہ
میری تو رسوائی مت دیکھ
حاضر ہوں میں بسم اللہ
اپنی طرف کو ٹک کر تو نگاہ

حسرت اوسکی وہ جمالی
اپنی طرف سے کھینچے نگاہ

زنار اور بُت ہی میرے دلخواہ
میں اور تسبیح استغفر اللہ
گم ہووے یہ دل جس کا ہی جنجال
جھگڑا ہی مٹ جاوی قصہ کوتاہ
تو مل شہ اب چھوڑوں نہ تجھکو
تجھسے ملوں گا خواہ نہ خواہ

ہر آن ہی مژگاں پر لختِ جگر تازہ
یہ نخلِ محبت میں دیکھا ثمر تازہ

ہردم دلِ سوزاں کا احوال ہے کچھ کا کچھ
جو قاصدِ اشک آیا لایا خبر تازہ

ای تاب و تواں تم بھی ٹک ساتھ تو دو دل کا
درپیش ہوا ہے اب اُس کو سفر تازہ

پوچھے جو کوئی آکر مجھ غمزدہ کی حالت
وہ رونے رولانے کو ہے نوحہ گر تازہ

پھونکیں ہیں کبھی دل کو گہ سینہ جلادیں ہیں
کرتی ہیں مری آہیں ہردم اثر تازہ

گر دام سی ہم چھوٹے کیا فائدہ گلشن تک
تب پہونچیے جب نکلیں پھر بال و پر تازہ

ہو رنج طبیبوں سی اب اور بھی افزوں تر
صندل کی تجھیس ہی اک دردِ سر تازہ

ہم خشک ہوئے ایسے جو پھر نہ کبھلے پھولے
سب بادِ خزاں لائی پھر برگ و برِ تازہ

جز اک نہیں لگتا زنہار ثمر اوس میں
جب خشک ہو موسم پر اپنے شجر تازہ

خوں زخم سی اس دل کے جاری ہی سدا حسرت
پیدا ہوئی دل پر بھی اک چشمِ ترِ تازہ

اس قدر سرگشتہ پھرتا ہے جو شب تاروں میں ماہ
ہے مگر اے رشکِ خور تیرے گرفتاروں میں ماہ

چاند کے مُنہ پر نہیں ہے نور ہے داغِ سفید
سامنے تیرے گِنا جاتا ہے بیماروں میں ماہ

شب کو چھپ کر اپنا دِکھلاتا ہے مُنہ سب خلق کو
راست پوچھو تو تو ہے اُس کے گنہ گاروں میں ماہ

که پهونکے ہے بیاباں کو جلاوے ہے نیستاں کو

گھڑی پل آن ساعت رات دن مذکور تیرا ہے
بھلایا یاد نے تیری ہمارے دل سے بستاں کو

میاں حسرت نہیں منظور یہ اشعار تو ہم کو
غزل کوئی اور اب پڑھئے جو سُلگاوے دل و جان کو

عبث ترسا کے مت کر ذبح کافر اک مسلماں کو
خدا کی واسطے رکھ دے گلی پر تیغ بُرّاں کو

خوشا حال اوس دوانی کا کہ وحشت سے وہ سودا کی
نہ پہچانے گلستاں کو نجانے کنج زنداں کو

ملائک لیں تیمم کر لئے آخاک تربت کی
یہ کچھ ہی رتبۂ پاکیزگی تیرے شہیداں کو

زمانا کیا کری گا اپنی طالع میں وہ گردش ہے
اگر چاہی سکھا دے گردشیں گردوں گرداں کو

ق
عزیزو آہ اک دن جی کو میرے غم نے آگھیرا
کہا میں نے کہ چلئے سیر کرنے ٹک گلستاں کو

یکایک بھر گیا دل کہنے لاگا اوس جگہ چلئے
کہ جس جاگہ نظر آوی سراسر یاس انساں کو

ہم اور تو دونوں اوس جا بیٹھیں اور دل کھول کر رو دیں
کریں تر اشک سے دامن بھریں خوں سی گریباں کو

یہ باتیں دل سی میں سنکر کہا گر یوں ہی مرضی ہی
تو چل اک دم دکھلاویں تجھے گورِ غریباں کو

وہاں دیکھا تو کوئی کشتۂ بیدادِ گردوں ہی
کوئی بیکس ترستا مر گیا دیدارِ خوباں کو

اونھوں میں ایک حسرت نام زیر لب خفا ہر ساعت
یہی کہتا تھا دل سی کھینچ کر اک آہِ سوزاں کو

نکرتا کاش ظالم قتل مجھ بیمار ہجراں کو
کہ محشر میں نچھوڑے گا مرا خوں تیرے داماں کو

ہر آن ہے مژگاں پہ لختِ جگرِ تازہ
یہ نخلِ محبت میں دیکھا ثمرِ تازہ

ہر دم دلِ سوزاں کا احوال ہے کچھ کا کچھ
جو قاصدِ اشک آیا لایا خبرِ تازہ

اے تاب و تواں تم بھی ٹک ساتھ تو دو دل کا
درپیش ہوا ہے اب اُس کو سفرِ تازہ

پوچھے جو کوئی آکر مجھ غمزدہ کی حالت
وہ رونے رلانے کو ہے نوحہ گرِ تازہ

پھونکیں ہیں گہی دل کو گہہ سینہ جلادیں ہیں
کرتی ہیں مری آہیں ہر دم اثرِ تازہ

گر دام سے ہم چھوٹے کیا فائدہ گلشن تک
تب پہونچیے جب نکلیں پھر بال و پرِ تازہ

ہو رنج طبیبوں سے اب اور بھی افزوں تر
صندل کی تجھے مس ہے اک دردِ سرِ تازہ

ہم خشک ہوگئے ایسے جو پھر نہ پھلے پھولے
سب بادِ خزاں لائی پھر برگ و برِ تازہ

جز آگ نہیں لگتا زنہار ثمر اوس میں
جب خشک ہو موسم پر اپنے شجرِ تازہ

خوں زخم سے اس دل کے جاری ہے سدا حسرتؔ
پیدا ہوئی دل پر بھی اِک چشمِ ترِ تازہ

اس قدر سرگشتہ پھرتا ہے جو شب تاروں میں ماہ
ہے مگر اے رشکِ خور تیرے گرفتاروں میں ماہ

چاند کے مُنہ پر نہیں ہے نور ہے داغِ سفید
سامنے تیرے گِنا جاتا ہے بیماروں میں ماہ

شب کو چھپ کر اپنا دِکھلاتا ہے مُنہ سب خلق کو
راست پوچھو تو ہے اُس کے گُنہ گاروں میں ماہ

کہ پھونکے ہے بیاباں کو جلا وے ہے نیستاں کو

گھڑی پل آن ساعت رات دن مذکور تیرا ہے
بھلایا یاد نے تیری ہمارے دل سے بستاں کو

میاں حسرت نہیں منظور یہ اشعار تو ہم کو
غزل کوئی اور اب پڑھئے جو سلگا وے دل و جان کو

عبث ترسا کے مت کر ذبح کافر اک مسلماں کو
خدا کے واسطے رکھ دے گلے پر تیغ براں کو

خوشا حال اوس دوانے کا کہ وحشت سے وہ سودا کی
نہ پہچانے گلستاں کو نجانے کنج زنداں کو

ملائک لیں تیمم کر لئے آ خاک تربت کی
یہ کچھ ہے رتبہ پاکیزگی تیرے شہیداں کو

زمانا کیا کرے گا اپنے طالع میں وہ گردش ہے
اگر چاہے سکھا دے گردشیں گردوں گرداں کو

ق

عزیزو آہ اک دن جی کو میرے غم نے آ گھیرا
کہا میں نے کہ چلئے سیر کرنے ٹک گلستاں کو

یکایک بھر گیا دل کہنے لاگا اوس جگہ چلئے
کہ جس جاگہ نظر آوے سراسر یاس انساں کو

ہم اور تو دونو اوس جا بیٹھیں اور دل کھول کر رو دیں
کریں تر اشک سے دامن بھریں خوں سی گریباں کو

یہ باتیں دل سی میں سنکر کہا گر یوں ہی مرضی ہے
تو چل اک دم دکھلاویں تجھے گور غریباں کو

وہاں دیکھا تو کوئی کشتۂ بیداد گردوں ہے
کوئی بیکس ترستا مر گیا دیدار خوباں کو

اونھوں میں ایک حسرت نام زیر خاک ہر ساعت
یہی کہتا تھا دل سی کھینچ کر اک آہ سوزاں کو

نکر تا کاش ظالم قتل مجھ بیمار ہجراں کو
کہ محشر میں نچھوڑے گا مرا خون تیرے داماں کو

موسیٰ اک دم کی تجلی میں ہوا تھا بیہوش
آج پھر جاتا ہار روٹھ کے وہ سنگیں دل

ہم نہوں سیر تجھے آٹھ پہر دیکھیں تو
ہائے اے نالۂ دل تیرا اثر دیکھیں تو

سست نظموں کو نہ حسرت سی برابر کیجے
کہہ سکے ایسی غزل اور بشر دیکھیں تو

اگر دیکھے ترے وحشت زدوں کے جیب و داماں کو
تو مجنوں گور سے اوٹھ کر کرے ٹکڑے گریباں کو

ترے جور و ستم سے سرکروں گر آہ و افغاں کو
ہلا دوں عرش اور برہم کروں محشر کے میداں کو

اوٹھے فریاد ہر اک سے کہ یہ کس کا ہے آوارہ
جو دیکھے خلق محشر میں مرے حالِ پریشاں کو

تصور نے ترے ظالم یہاں تک تفرقہ ڈالا
کہ ملنا ہو گیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کو

نجاوے پر نجاوے درد تیرا دل سے عاشق کے
اگر چرخ چہارم سے مسیحا آوے درماں کو

دل و چشم و جگر کو کر دیا برباد اک پل میں
نہ آیا رحم ہے ظالم سرشکِ خانہ ویراں کو

مرے دل سے وہ ہر دم نالۂ جاں سوز نکلے ہے

عار خلق اس سی زیادہ نہ کر اب مجھکو اجل
جیتا رکھے گی کہاں تک بھلا رسوائی کو

ناتوانی سی تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی
کس طرح کاٹئے یارب شبِ تنہائی کو

ایسی کیا تجھ پہ بلا ٹوٹی کہ تو نے اے دل
یک بیک چھوڑ دیا صبر و شکیبائی کو

ہم سے دیوانے کو کیا پند سے سودا ای ناصح
کام فرمائیے ٹک آپ ہی دانائی کو

مثل یعقوب ترے ہجر میں ای یوسفِ وقت
یاں تلک روئے کہ رو بیٹھے ہیں بینائی کو

موت ہی چاہنے والے کو محبت اوسکی
حق نہ دے حسن تو معشوقۂ ہرجائی کو

مرض الموت جدائی کا مسیحا سے نجائے
پھیر سکتا ہے وہ ہر چند اجل آئی کو

ہم بھی حسرت غزلیں خوب سی کہتے لیکن
دل نہیں چاہتا اب معرکہ آرائی کو

کب تک آوے گا تو ای نور بصر دیکھیں تو
آنکھیں روشن ہوں تجھے ایک نظر دیکھیں تو

جو تو مانگے گا سو انعام میں دوں گا قاصد
کیسا لاتا ہے شتاب اوس کی خبر دیکھیں تو

وہم کہتا ہے رگِ گل سی بھی نازک تر ہے
ٹک قبا کھول میاں تیری کمر دیکھیں تو

جھوٹ بولے سو ہو کافر بخدا اے زاہد
سجدہ ابرو کو کریں تیری اگر دیکھیں تو

بعد اِک عمر کے اب ہاتھ لگے ہو مشفق
اب یہاں سے بھلا جاؤ گے کہاں دیکھیں تو

مت کرو خانہ بدوشوں سی گلہ آنے کا
آویں آنکھوں سے جو ہم آپکا گھر دیکھیں تو

سخت ماتم ہے کہ اب یار جدا ہوتا ہے
کس قدر روتے ہوا ب دیدۂ تر دیکھیں تو

ہم ہیں اور تو ہی بھلا ای شبِ دیجور فراق
کب تلک آج نہ ہووے گی سحر دیکھیں تو

پہلے تو بڑھائی چاہ دل کی　　دو چار دن اوس سے آشنا ہو
سب طرح سے لے کی ہاتھ میں دل　　جس وقت دل اوس کا مبتلا ہو
کرنے لگے وہ ہیں بیوفائی　　جاتے رہے پاس سے جدا ہو
آپ ہی وہ مرے تڑپ تڑپ کر　　جس نے کہ کسی کو دل دیا ہو
حسرت کا نہ پوچھو حال مجھ سے　　ق　اگر رات جیا ہو تو جیا ہو

پر دردِ فراق سے تڑپ کر
اغلب کہ وہ رات مر گیا ہو

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو　　ولے کیا کیجئے حسرت بلائے ناگہانی کو
بصد خون جگر تک قطرہ مژگاں تک تو پہونچا ہے　　نہ دے برباد یوں ای چشم اشکِ ارغوانی کو
نہ تو نے تر کیا حلقوم میرا آبِ خنجر سے　　ترستا ہی رہا یہ تشنہ لب اک بوند پانی کو
لگی لو ہی برنگ شمع آتش سی مرے دل کو　　یہ مت کیجو عیاں اے گریہ اس سوزِ نہانی کو
کیا مین فرض فرصت خط کی لکھنے کی نہ تھی تجھکو　　نہ تھا عرصہ تو کچھ درکار پیغام زبانی کو
میاں لیتے ہی دل کو ہو گئے تم دشمنِ جانی　　کدھر گئی وہ عنایت کیا ہوا اوس مہربانی کو
عزیزو کیا کہوں مین درد دل وہ شوخ بے پروا　　ق　لگا یوں کہنے کل سنکر مری غم کی کہانی کو

بتنگ آیا ہی جی میرا تری بکبک سے ای حسرت
خدا کی واسطے موقوف کر اس قصہ خوانی کو

موت آجائے کہیں اس دلِ شیدائی کو　　روز سمجھائے کہاں تک کوئی سودائی کو

کہا مین نے رقیبوں سے جتائی چاہ کیوں تو نے
لگا کہنے کہ سنتا ہی میاں تیری ستانے کو

کہا مین نے کہ گھر کے لوگ کیوں سکا دیے تو نے
لگا کہنے کہ کب بھیجے ہیں تیرے بلانے کو

کہا مین نے خمار آنکھیوں مین کیوں بھر رہا ہی گا
لگا کہنے تو کیا سمجھے گا سونی کے بہانے کو

کہا مین نے مرے دشمن سے کیوں آنکھیں لڑاتا ہے
کہا ای دوست سنتا ہے ذرا تیرے رولانے کو

کہا مین شمع محفل کو کیا خاموش کیوں تو نے
لگا کہنے کہ سن حسرت میاں تیرے رولانے کو

کیا جانیے اپنا حال کیا ہو
بیتابئ دل ترا برا ہو

واں لے چلو ہم کو اے عزیزو
اس درد کی جس جگہ دوا ہو

کیوں غیر سے تو دوچار ہووے
آنکھوں میں تری اگر حیا ہو

کیونکر وہ اوٹھاوے ہجر کا غم
جو وصل سے روز و شب ہلا ہو

مرتا ہوں مین ہجر کے الم سے
ق
ایسا کوئی بندۂ خدا ہو

گر اوسکو ملا دے مجھ سے اوسکا
دونوں ہی جہان میں بھلا ہو

یارو کوئی یار سے یہ کہدے
ق
گر قتل سے میرے مدعا ہو

تو عذر مجھے بھی کچھ نہیں ہے
راضی ہوں جو آپ کی رضا ہو

پر اتنی ہی عرض کیا ہے لازم
یہ بات کسی پہ بر ملا ہو

جانیں سب لوگ ہے ستمگر
سب خلق میں نام بیوفا ہو

بس کیجے یہ رسم دلربایاں
گر تم بھی کسی کے دلربا ہو

خواب ہی دیکھا کہ تیرے باغ سے لیتا ہوں سیب
تو حسیں ہے مجھکو دے تعبیر ہونا ہو سو ہو

یوں نہیں ہے وصل تو حسرت کی وراوس شوخ کی
کھینچ مانی ایک جا تصویر ہونا ہو سو ہو

گوروں سے دور گاڑیو مجھ ناصبور کو
ورنہ رہے گا زلزلہ اہلِ قبور کو

ہو خفتگانِ خاک پہ محشر کہ دل مرا
برپا کرے گا گور میں بھی نفخِ صور کو

فریاد تیرے جور کے کشتوں کی گر سُنے
آزارِ درد گوش ہو شورِ نشور کو

جنت کی سیر کو تجھے لیجائیں گے اگر
دنیا کی آرزو رہے حور و قصور کو

یہ طُرفہ ہے کہ اس خسِ مژگاں کو تر کرے
وہ شعلہ جس نے خاک کیا کوہِ طور کو

آجائے انجمن میں جو اوس گل کی بو اگر
کافور کردے شمع کے چہرے سے نور کو

وحشتِ عدم تلک تو نہ بھولے گا تیرا گور
ہاں اس سے بھی فلک کہیں لیجائیے دور کو

کیا حوصلہ کسی کا جو تیرا یہ ناز اٹھائے
میرا ہی عجز سمجھے ہے تیرے غرور کو

زاہد تو سرمہ سمجھے ہی آنکھوں میں پر عبث
کچھ فائدہ نہ کحل سے ہو چشمِ کور کو

پوچھا کل اوسنے جس سے کہ حسرت تجھے ہے عار
ق
اوس سے ملا تو حیف ہے تیرے شعور کو

چاہا میں کچھ جواب نہ دوں پر نہ رہ سکا
اتنا کہا کہ کیا کروں اپنے ضرور کو

کہا میں کیوں بنائی سیج کہا تیری دکھانے کو
کہا میں غیر کیوں آئے کہا تیرے اٹھانے کو

کہا میں نے کہ گُل بکھرے پڑے ہیں کس لئے اس جا
لگا کہنے ابھی توڑے تھے بستر پہ بچھانے کو

شرمندگی سے تا یہ کبھی رو برو نہو

ہے ابر و ہوا گل کھلے گلشن میں سحر کو
لا ساقی گلرو تو ذرا جام ادھر کو

کیا جانئے کیا ملک عدم میں ہی تماشا
پھرتا ہی نہیں جو کوئی جاتا ہے اودھر کو

یا داد دے بیداد کی یا قتل کرا ے شوخ
ہرگز ترے فریادی نچھوڑیں گے ترے در کو

ہر آن تو پوچھے ہی ترا گھر بھی کہیں ہے
مدت ہوئی ہم آگ لگا بیٹھے ہیں گھر کو

دو روز کی رونے کی بضاعت ہی مرے پاس
مت جائیو تو دور جو جاتا ہے سفر کو

اک روز تو غم دل ہی کو خوناب بنا کر
پہونچائے گا ہر طور مرے دیدۂ تر کو

اور دوسرے دن دل کو جو پاوے گا نہ خالی
ناچار بہاوے گا سبھی خونِ جگر کو

اتنے ہی میں تو جا کے پھر آوے تو بھلا ہے
اک آہ میں پہونچے گا نہیں جی بھی اودھر کو

حسرت وہ صنم فتنۂ دوراں ہوا آخر
کیونکر نہ سراہوں میں بھلا اپنی نظر کو

دشت میں کر چلنے کی تدبیر ہونا ہو سو ہو
توڑ دیوانے تو اب زنجیر ہونا ہو سو ہو

ایک باری تو مجھے لیجاؤ تم اوسکے حضور
آگے جو کچھ ہو مری تقدیر ہونا ہو سو ہو

گو کیا اس آسماں نے اب مجھے مشت غبار
اوسکا جا ہوتا ہوں دامنگیر ہونا ہو سو ہو

اوسکے کوچے میں کیا تھا منع آنے کو مجھے
ابتو مجھ سے ہو گئی تقصیر ہونا ہو سو ہو

دل بنا ہی سامنے تیرے ہدف اے تند خو
اک لگا اپنی طرف سے تیر ہونا ہو سو ہو

غصہ ہووے یا کرے نامے کو میرے چاک چاک
اوسکو خط کرتا ہوں اب تحریر ہونا ہو سو ہو

جلایا چاہو جو حسرت کو تو تو اوس کو گھر
کوئی دم اور اوسے میہمان رکھ لیجو

یارب دلِ بے صبر کو تو موت ہی دیجو
پر دامِ محبت میں گرفتار نہ کیجو

احوال مرا دیکھ بتانِ سنگ پگھل جائے
پر سنگدلو تم نہ کسی طرح پسیجو

کوئی دم میں کئی تار ہی رہ جائیں گے ناصح
ہرگز تو مرے تارِ گریباں کو نہ بیجو

اے مرگ یہ خواہش ہی کہ جب تک نہ ملے یار
گر وقت بھی پہونچے تو مری جان نہ لیجو

ہم تو چلے اس بزم سے لے حسرت و افسوس
ای غیر تو یاں بیٹھیو اور جام بھی پیجو

نازک دلوں کے زخم کا مرہم کبھو نہو
پیراہن حباب پھٹے تو رفو نہو

ساقی کہاں ہی خندۂ قلقل کی اب اُمید
شیشہ کو دیکھ گریہ گرہ در گلو نہو

سچ مچ کے بُت ہیں ناز و تکبر سے یہ صنم
آپس میں بھی ملیں تو بہم گفتگو نہو

جتنا ہو داغ دار یہ اوتنا ہی خوب ہی
وہ دل نہیں کہ جس میں محبت کی بو نہو

جسکی نہاد ہی میں کجی ہی کماں کی طرح
زِ اوسکا مثل تیر کبھی ایک سو نہو

یارو مری یہ حسن پرستی ہی جی کے ساتھ
ہر چند جان جائے پہ تبدیل خو نہو

یہ ہوسکے ہی یار جہاں تو ہو ہم نہوں
پر یہ نہ ہوسکے کہ جہاں ہم ہوں تو نہو

ق
حسرت کی دل میں کب سے تمنائے قتل ہے
ہر چند حاصل اوس کی کبھو آرزو نہو

لیکن ذرا تو دے اسے شمشیر کھینچ کر

دھوم ہو شہر میں اگر بیٹھے تو منصفی کے تئیں
تجھ پہ سبھی ہیں داد خواہ خانہ بخانہ کو بکو

تو جو کہے ہے بیوفا کون ہے مجھ سے آشنا
سب ہیں ترے لئے تباہ خانہ بخانہ کو بکو

گو بہار کا وفور گل کی نہ قدر جائے گی
خواہ چمن چمن ہو خواہ خانہ بخانہ کو بکو

اپنے تو جور کو نہاں خلق سے تو رکھے ہے اور
کہتا پھرے ترا گناہ خانہ بخانہ کو بکو

عشق کو چھوڑ حسرتؔ اب فن یہ ہوا ہے مُبتذل
پہلے تھی سب جہاں میں چاہ خانہ بخانہ کو بکو

جہاں ہے مرو ہیں آسمان رکھ لیجو
شبِ وصال کو اور ایک آن رکھ لیجو

شتاب ہووے جو عالم میں آمدِ صبح
توڑے کے وقفہ ا دسی درمیان رکھ لیجو

سحر ہی کرنی اگر ہو تجھے تو اے ظالم
جہاں میں ظلمتِ شب کا نشان رکھ لیجو

یہ میں تجھے نہیں کہتا کہ آج جلد نہ پھر
یہ کل کی حال پہ ٹک ایک دھیان رکھ لیجو

ابھی سہیل مرے سامنے نہ چمکا نا
لگے ہے دل میں یہ نوکِ سنان رکھ لیجو

وہ صبح صادق و کاذب پہ بحث ہے اسوقت
کوئی گھڑی ہے تو میرا گمان رکھ لیجو

موذّن ایسے میں دے بیٹھیو کہیں نہ اذاں
خدا کے واسطے اپنی زبان رکھ لیجو

بجائے گا تو اگر نوبتی یہ نوبتِ صُبح
تو میرے نالوں پہ ٹک اپنی کان رکھ لیجو

نسیم گرچہ ہے گُلگونِ بادپا پہ سوار
ولے جہان ہے (؟) تک رکھ لیجو

دریغ صبح کو یارب وداعِ جاناں ہے
تمام ہو نہ یہ شب میری جان رکھ لیجو

ترا ہے قہر خدایا یہ روزِ فرقت آہ
غضب سے اپنے مجھے الامان رکھ لیجو

کیا سناؤں غمِ دل آہ مین ہمدم تجھکو | بیٹھے بٹھلائے دوں ناحق کو تئیں غم تجھکو
ہاں ہماری تو میاں سہل گذر جاوے گی | کیا کہے گا بھلا اِس ظلم پہ عالم تجھکو
سب سے اے دل وہ ملا چھاتی سے تیری لگا | عید کا چاند ہوا ماہِ محرم تجھکو
اور بھی روے تو جتنی کہ تسلی دوں مین | کیا بلا ہوگئی اے دیدۂ پُر نم تجھکو
مجھ سے کیا لڑتا ہے جا اوس سے خفا ہو ظالم | حال کہہ کر مرا جس نے کیا برہم تجھکو
ڈرتے ڈرتے کبھی آ بیٹھتے ہیں تیرے حضور | دیکھتے ہیں جو کوئی دم خوش و خرم تجھکو
کیا ترا گم ہوا ہم کو تو بتا اے حسرت | کیونکہ خُوش دیکھتے ہیں اندنوں ہیں کم تجھکو

نظر آوے گی تری عشوہ نمائی ہم کو | جینے دیوے گا اگر دردِ جدائی ہم کو
جب سے تو روٹھ گیا وو ہیں پھرے اولٹے پاؤں | ہو خدا کی تبھی معلوم خدائی ہم کو
چشم کہتی ہیں مری کیا ہے ہماری تقصیر | آپ دل جا پھنسا دیتا ہے بُرائی ہم کو
یار کا کوچ ہو غم دیکھنے کو ہم جیویں | آہ اس وقت میں کیوں مرگ آئی ہم کو
سالہا دوڑیں تری شکل جو اے بادِ صبا | گرد تک اوسکی بھی ہووے نہ رسائی ہم کو
کیا کریں بس نہیں کچھ اپنا بھلا ای ناصح | کہہ تو کیا سوجھتی نہیں اپنی بھلائی ہم کو
آپ بیتی کہے تو تجھسے کہیں ای حسرت | بات کہنی نہیں خوش آتی پرائی ہم کو

پہونچے ہی بسکہ میری آہ خانہ بخانہ کو بکو | ہیں ترے ظلم کے گواہ خانہ بخانہ کو بکو

قیامت ہی تغافل رحم کر اس سخت جانی پر
کہ سو محشر ہوئے ہیں جانکنی میں تیرے بسمل کو

گراں باری سی مین جوں سنگ ڈوبا قعر دریا میں
وگرنہ ہر سبک خاشاک جا لگتا ہی ساحل کو

جرس ہو کر دلِ مجنوں بھی فریاد کرتا ہے
کہ بتلاؤ کوئی مجھکو ذرا لیلی کے محمل کو

دیا نقاش قدرت نی بھی بوسہ اپنے ہاتھوں پر
جو دیکھا کھینچ کر اے جاں تری شکل و شمایل کو

کیا بسمل تو پھر اس صید کو فتراک سی باندھا
دیا ایک اور عقدہ کر گیا حل میری مشکل کو

لئی کتنے ہی مین درد و الم ایک دل کی تئیں لیکر
جو ہوتا فائدہ کچھ تو جگہ تھی اس محاصل کو

گواہی دیجیو حسرت کو جرم عشق پر مارا
دلا تو حشر میں ہو سرخ روئی میرے قاتل کو

قتل کیونکر کریں برگشتہ یہ مژگاں مجھکو
بخت برگشتہ نے بسمل کیا جاناں مجھکو

یارو اس شہر کی بستی کا تعجب ہے کہ یاں
نظر آتا ہی عجب آفتِ دوراں مجھکو

بس کہ ان آنکھوں میں ہیں اشک بھرے اے یارو
داغ دل ایک بھی سوجھے ہے چراغاں مجھکو

جان کہتی ہی کہ دل گھیر لیا غم نے تمام
رہنے دینے کا نہیں گھر میں یہ مہماں مجھکو

تنگ و تاریک ہی سنسان نہ مونس نہ یار
جیتے جی گور ہوا کلبۂ احزاں مجھکو

اتنا غم ہی کہ سہے گا ترا اب کون ستم
دمِ بسمل نہیں زنہار غمِ جاں مجھکو

ہونگا مفتوں کسی زلف کا تعبیر ہے یہ
نظر آتے ہیں بہت خواب پریشاں مجھکو

گرچہ گلشن ہی جہاں لیک نے بس ہی دل تنگ
اب تو حسرت یہ گلستاں ہوا زنداں مجھکو

سیل فنا سے زبس گھر ہوا سب اتباہ
سقف اور ایوان کہیں بال کہیں پر کہیں

کیسی یہ آوارگی دی ہمیں اے آسماں
شہر کہیں ہم کہیں یار کہیں گھر کہیں

ایک جگہ پر قرار مجھکو نہیں درد سے
سر کہیں بالش کہیں تن کہیں بستر کہیں

یہ بھی کوئی زیست ہی خاک بریں زندگی
مین کہیں اور وہ کہیں دل کہیں دلبر کہیں

جان و دل و چشم و تن بانٹ لئے عشق نے
داغ کہیں غم کہیں نم کہیں اخگر کہیں

محنت و درد و الم چاہو تو اُس پاس ہے
صبر و تحمل کہیں حسرتِ مضطر کہیں

نہ آیا تجھے رحم مجھ پر کبھو
غرض سخت بیدرد ہے یار تُو

ہمیں آنسوؤں ہی کا رونا تھا آہ
لگا بہنے آنکھوں سے اب تو لہُو

نہ پایا سراغ اپنے دل کا کہیں
گئے چھانتے خاک ہم کو بکو

مرا حال آشفتہ اوس زلف سے
صبا جا کے کہہ دیجیو مُو بمُو

کبھی دے کے گالی بھی پوچھی نہ بات
رہی دل میں باقی یہی آرزو

اگر ہووے رستم مرے سامنے
کروں اوس سے مین دو سخن دو بدُو

پرای حسرت اُوس تند خو سے مجھے
ذرا بھی نہیں طاقتِ گفتگو

گیا گھر کو تو بیدل کر گیا وہ ساری محفل کو
رہی کہتے سبھی وہ لے گیا وہ لے گیا دل کو

گلے تک آب خنجر لا کہ زخم دل سے مرتا ہوں
دم آخر روا ہے گر کریں سیراب گھایل کو

دم بسمل تماشا کیا کریں نخچیر کی آنکھیں
چمن میں آنکھ اُوٹھا کب نرگس بیمار نے دیکھا
نکلواتا ہے اے ظالم جو بے تقصیر کی آنکھیں
لُٹا یا اِک نگہہ میں صف کی صف کو تو نے اے ساقی
کہیں جو جام مے دیکھیں نہ اس تاثیر کی آنکھیں

خراباتی جوانوں سے ملا کرتا ہے اے حسرت
بہت مخمورین دیکھیں ہیں جب سے پیر کی آنکھیں

ہمارے دل میں اگر حسرتیں ہیں تو ہیں
میاں تم آؤ تو آؤ یہاں نہیں تو نہیں
وہ تلخ ہو کے اگر بولتا نہ سنتے ہم
جو اُوسنے پیار سے باتیں ہیں کہیں تو کہیں
ستم کرے ہے وہ ظالم تمام عالم پر
جفائیں ہم نے بھی اوسکی اگر سہیں تو سہیں
وہ نور دیدہ کئی دن سی نہیں نظر آتا
جو پھوٹ پھوٹ کی آنکھیں مری بہیں تو بہیں
نہ سُن سکوں کہ کبھی یاں کبھی ہو غیر کے گھر
یہاں رہو تو یہاں ہیں رہو وہیں تو وہیں

مرے ہی درد جدائی سی یار بن حسرت
جو ہو سکے تو کرو فکر کچھ نہیں تو نہیں

چار سُو اوسکے مرا پارۂ تن ہر کہیں
سینہ کہیں دل کہیں چشم کہیں سر کہیں
چار طرف اوسکے ہاں قتل کا سامان ہی
تیغ و سناں ہی کہیں دشنہ و خنجر کہیں
تفرقہ انداز ہی جب سے کہ دہقان چرخ
لالہ و گل ہے کہیں سرو و صنوبر کہیں

یہ تمھاری جو بانکی باتیں ہیں | راست کہیئے کہاں کی باتیں ہیں
قتلِ عاشق پہ نیت کم کسنا | اوسی رستم جواں کی باتیں ہیں
چین ہم کو زمیں پہ جو نہ ملا | یہ سب اس آسماں کی باتیں ہیں
تیرے مُنہ کے پیام بر قرباں | کہہ یہ اوسکی زباں کی باتیں ہیں
ذکر اوسکا نہ چھیڑ اے ناصح | دیکھ کس داستاں کی باتیں ہیں
گوش تک یار کے نہ پہونچ سکیں | سو وہ مجھ ناتواں کی باتیں ہیں
جائے خاموش ہے یہاں بُلبُل | کسی غنچہ دہاں کی باتیں ہیں
ڈر سے کہتا ہوں سنیو اے دیوار | ق | اس روشِ ان بتاں کی باتیں ہیں

ہوش اور گوش جنکا ہے حسرت
وہ سمجھ گئے جہاں کی باتیں ہیں

تری صورت کو یوں تکتی ہیں مجھ دلگیر کی آنکھیں
کہ رہ جاتی ہیں جوں حیرت زدہ تصویر کی آنکھیں
جنوں میرے کا رتبہ گر نہیں معلوم تو دیکھو
کہ پاؤں سے لگیں ہیں حلقۂ زنجیر کی آنکھیں
کماں کھینچی کسی پر اور مجھی کو آ لگا پیکاں
ترے قربان سچ کہہ کیا مگر ہیں تیر کی آنکھیں
جو دیکھا ذبح کرتے وقت قاتل کو تو کیا حاصل

میں کہا تڑپے ہی تجھ بن دل مرا میں کیا کروں
سُن کے وہ بولا کہ یوں جی تیر بھلا میں کیا کروں

میں کہا ظالم ادا کر ایک ادا میں بات کو
بول اُٹھا کم شوق ہی چل بڑا میں کیا کروں

عمر گذری بندگی میں اور پرستش میں مری
رام نہیں ہوتا وہ بُت میرے خدا میں کیا کروں

مجھکو بھی بتلا دے اپنا سا کوئی دلدار اور
تیرے تو عاشق بہت ہیں بیوفا میں کیا کروں

میں کہا او بیوفا بیرحم ٹک ادھر تو دیکھ
دل جو رکھتا تھا سو تجھکو دے چکا میں کیا کروں ق

بولا کس نے کی تھی منت کاہے کو پھر کس لئے
واسطہ بھی کیوں ہوا تو مبتلا میں کیا کروں

یار بے پروا و دل بے صبر و دشمن سب جہاں
کس طرح اوس سے ملوں حسرت بتا میں کیا کروں

صاف مجھ بے نوا کی باتیں ہیں
یہی میری صدا کی باتیں ہیں

کھل گئے گُل سحر جو سنتے ہی
بلبلو یہ صبا کی باتیں ہیں

مجھ سے کچھ اور رقیب سے کچھ اور
یہ پیارے دغا کی باتیں ہیں

کرتے ہیں شیخ و برہمن جو ذکر
سب اوسی آشنا کی باتیں ہیں

بولتے یا نہ بولتے وہ لوگ (؟)
شاہ سی اس گدا کی باتیں ہیں

سُنیو ٹک گوش دل سے اے حسرت
اور اوس بیوفا کی باتیں ہیں ق

غیر سے ہیں سخن محبت کے
مجھ سے جو ہیں جفا کی باتیں ہیں

اور سے میں ابھی سمجھ لیتا
پر کروں کیا خدا کی باتیں ہیں

دوستوں کا دیکھنا اس دور میں ہر دم کہاں
دم غنیمت ہے عزیزو تم کہاں اور ہم کہاں

اہل دل آئینہ روشن ضمیری وام لے
دل کو آئینہ کے تئیں پہونچے ہے جام جم کہاں

زیر چرخ کجروش آسودگی ممکن نہیں
اس زمانے مین جو تم ڈھونڈھو دل خرم کہاں

خم کو خم دے ساقیا اک جرعہ کام آتا نہیں
کر سکے سیراب پیاسوں کو تئیں شبنم کہاں

لوگ کہتے ہیں کہ ہے ابرو تری مانند تیغ
تیغ کی مانند ہے پر تیغ میں یہ خم کہاں

کون جانے عاشق و معشوق کے راز و نیاز
بلبل و گل کی حکایت سے صبا محرم کہاں

ابر دریا دل نرووے جسقدر روتے تھے ہم
اب کہاں وہ موج طوفان چشم وہ پرنم کہاں

گلشن دوران کی حسرت سیر کر لے کوئی دم
سالہا اس باغ میں پھولیں گے گل پر ہم کہاں

تجھ میں تو کچھ بھی مہر و وفا کا اثر نہیں
معشوق بیوفا تو ہیں پر اس قدر نہیں

یوں ظلم و جور ایک مسلمان پہ کیجئے
کافر یہ کیا ستم ہے خدا کا بھی ڈر نہیں

یوں جاں بلب ہوں غم سے ترے آہ اے صنم
اس پر بھی رحم تجھ کو مری جان پر نہیں

تیری کبھی نگاہ نہین میرے حال پر
وہ کون ہے کہ جس کی مژہ خوں سے تر نہیں

دشمن کو بھی خدا نہ دکھاوے شب فراق
ہجراں کی شب وہ شب ہے کہ جس کو سحر نہیں

ق

مشفق یہ التماس ہے خدمت مین آپ کی
حسرت سے ملنا آپ کو منظور اگر نہیں

گاہے نگاہ لطف سے دیکھا تو کیجئے
تقصیروار یہ تو غلام اسقدر نہیں

کہاں تلک کوئی دام بتاں سی بچ نکلے
جو خط سے چھوٹے تو زلفوں میں مار رکھتے ہیں

نصیحتیں تو کسی اور کو کرا اے ناصح
ہمیشہ ننگ سی عشاق عار رکھتے ہیں

گلی میں اپنی دکھاتے ہو کیا ہمیں شمشیر
فدائی آپ کے اِک جانِ زار رکھتے ہیں

یہاں جب آنے کا کرتی ہیں قصد تب پہلے
ہم اپنے ہاتھ پہ سر کو اوتار رکھتے ہیں

جو دل بھی لیکے نہ خوش ہوویں یہ بتاں حسرت
تو ہم نہ جبر کریں اختیار رکھتے ہیں

ہوئے ہم بت کے بندے برہمن سے راہ کرتی ہیں
حرم کے رہنے والو تم سی عشق اللہ کرتی ہیں

تیرے جور و ستم سے آہ کچھ فریاد نہیں کرتے
اثر نہیں آہ میں اسواسطے ہم آہ کرتے ہیں

خدا کا قہر نازل ہو بُروں کی جان کے اوپر
یہ میرا دل جلاتے ہیں اوسے بدراہ کرتی ہیں

نہ دیکھ اے شیخ تو اُنکی طرف چشم حقارت سے
گدایانِ خرابات اِک نگہ میں شاہ کرتی ہیں

پری رُو دوستو سب چاہنے والوں کی دشمن ہیں
عجب ہیں ہم بھی دیوانے جو انکی چاہ کرتی ہیں

قفس میں ہم نہیں کچھ بولتے صیاد کے ڈر سے
چمن کی مرغ نالے اپنی خاطر خواہ کرتے ہیں

نکل جاوے کسی دن کاش یہ جی ساتھ نالی کے
ہزاروں رات دن میں نالہ جانکاہ کرتے ہیں

کتاں کی طور کرنا چاک دل اور گریہ جوں شبنم
نکرنا تھا سو تیرے واسطے اے ماہ کرتے ہیں

جلے جوں شمع اب دیکھے ہے خاموش ہو جاویں
یہ افسانہ سُنا کر قصہ ہم کوتاہ کرتے ہیں

سخن آورد کا حسرت نہ پہونچی درد کو ہرگز
کہ اسپر آہ نکلے ہی اور اوسپر واہ کرتے ہیں

لگی تھیں آہ اک مدت سی جس کے ساتھ یہ آنکھیں
سو غائب ہو گیا آنکھوں سے اپنی اب کدھر دیکھیں

نظر آتا تھا گھر ہو وے سے جیسے رشک گلشن کا
بھلا اوس کے بنا اب کس طرح سے ہم وہ گھر دیکھیں

سدا آہٹ لگا رہتا تھا ہم کو جس کے آنے کا
سو کس امید پر اب ہائے ہر دم سوئے در دیکھیں

سدا اک رہگذر پر جس کی خاطر بیٹھے رہتے تھے
سو اب کس آس پر بیٹھے ہوئے وہ رہگذر دیکھیں

کبھی بھیجا نہ تھا پیغام اپنا غیر کے ہاتھوں
خدائی ہے کہ اب دن رات راہِ نامہ بر دیکھیں

خبر جس کی جدائی کی کبھی سنتے تو رو دیتے
سو اب کہتے ہیں کب پیغام بر لا دے خبر دیکھیں

جہاں پل بھر ہوا تاریک اِن آنکھوں میں اب اوس بن
نظر آتا نہیں کچھ گو ادھر دیکھیں ادھر دیکھیں

تسلی کو بھی کہتے ہیں یہ آتا ہے وہ آیا
ہمیں باور نہیں آتا ہے آنکھوں سے مگر دیکھیں

رمق اک دیکھنے ہے دیکھنے کو جان آنکھوں میں
ہماری جان میں پھر جان آ جاوے اگر دیکھیں

فلک سے تو نہیں امید جو اوس کو دکھا دیوے
مگر حسرت خدا چاہے تو ہم بار دگر دیکھیں

برنگِ لالہ دلِ داغدار رکھتے ہیں
جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں

تو ابر اپنے برسنے پہ مت گرج اتنا
کہ ہم بھی ہاں مژہ اشکبار رکھتے ہیں

نہ رو دیں خونِ جگر کس طرح ہم اے ناصح
بغل میں اپنی دل سوگوار رکھتے ہیں

صدف گہر پہ نہ کر ناز چشم میں ہم بھی
ہر ایک اشک دُر آبدار رکھتے ہیں

کریں نہ مثل جرس نالہ و فغاں کیونکر
کہ دل جفائے بتاں سے فگار رکھتے ہیں

نہ چھوڑیے ترا کوچہ تو اور کیا کیجے
ہزار دشمن جاں ہر کنار رکھتے ہیں

حسرت اوس کی رضا جو ہو سو ہو
ہر طرح ہم تو شاد و خرم ہیں

جب ہم رونے سی ہارتے ہیں — دیوار سے سر کو مارتے ہیں
ہے عشق کا بار سخت مشکل — کب ارض و سما سنبھارتے ہیں
لازم نہیں تجھکو زیب و زینت — بدشکل بدن سنوارتے ہیں
ساقی مَے دے کہ اہلِ مجلس — پانی پانی پکارتے ہیں
جاروب کی طرز اوسکی گو گو — پلکون سے ہم بہارتے ہیں

حسرت مت مل بتوں سی مت مل
عاشق کو یہ جی سے مارتے ہیں

بہی گا چشم سے خوناب یا لختِ جگر دیکھیں — دکھاوے گا ہمیں کیا کیا ستم تیرا سفر دیکھیں
گیا جو وقت سے تو حال کچھ باقی نہیں ہم میں — کہیں کیا آہ اب تو اپنی ہی جان پر دیکھیں
جو بیتابیِ دل عشاق کی باطل سمجھتے تھے — مرے سینہ پہ آکر اندنوں میں ہاتھ دھر دیکھیں
اگر اہل جہاں نے آگ پر سیماب نہیں دیکھا — جدائی میں ترا احوال کچھ بھر کر نظر دیکھیں
اونہوں تے نہیں دیکھا جنہوں نے ابر کو ہرگز — سو اب ایام فرقت میں وہ میری چشم تر دیکھیں
چمن میں رنگِ گل اوڑتی خزاں سی گر نہیں دیکھا — تو میرے رنگ کو ٹک اندنوں میں غور کر دیکھیں
عجب قسمت ہے میں فریاد پر جن جن کی ہنستا تھا — وہ فریاد و فغاں کرتی مجھے شام و سحر دیکھیں
بسر کرتے تھے جسکے ساتھ ہم نت عمر ہے ظالم — سو اب دن کس طرح ہم اوسکے غم میں یوں بسر دیکھیں

حسرت نے تیرے دور میں اک دم نہ کاٹا عیش سے
برپا کرے ہے ظلم نو تو ہر زماں اے آسماں

تنہا نہ زخم میرے ہی دل و جگر میں ہیں
گھائل تیری نگہہ کی ہر اک رہگذر میں ہیں

یارب کسی طرح نہیں تھمتے ہیں ایک پل
ناسور کس طرح کے مری چشم تر میں ہیں

جیتے بچے تو سمجھیں گے ہم ایک ایک سے
بہکانے والے جتنے ہیں اپنی نظر میں ہیں

کوئی آہ ایسی کیجیے جس میں اثر بھی ہو
یوں سیکڑوں ہی نالے دلِ بے اثر میں ہیں

ق

معذور رکھیو صوم سے ماہِ صیام میں
مت محتسب سمجھیو کہ ہم اپنے گھر میں ہیں

آئے تھے یاں عدم کی طرف سے برائے سیر
پھر یاں سے کوچ کرتے ہیں ہر دم سفر میں ہیں

کیا چین دل کو ترکِ علائق سے ہو گیا
حسرت جہاں کے لوگ عجب دردسر میں ہیں

اس لیے میری چشم پُرنم ہیں
ایک دل اور سیکڑوں غم ہیں

حُسن پر مبتلا ہوا ہے دل
نہیں جو تو بشر ہے سو ہم ہیں

کیوں نہ اب میری دل پہ پیچ پڑے
سیکڑوں تیری زلف میں خم ہیں

نالۂ نے کی طور اے یارو
ہم بھی دنیا میں اب کوئی دم ہیں

ہیں وفادار خال خال یہ بُت
ان میں خالِ وفا بہت کم ہیں

کوئی تم کو ملا ہے برہم کار
اس لئے آپ ہم پہ برہم ہیں

جام کیونکر پیوں میں تیری ساتھ
میری جمہائی خبر سب جم ہیں (۱۶)

میں ہجر میں کب تک کروں آہ و فغاں اے آسماں
ہردم نیا فتنہ کرے برپا تو میری جان پر
مانگوں ہوں تیرے ہاتھ سے مین الاماں اے آسماں
آوارہ مجھ کو کر دیا صد حیف کوئے یار سے
اب جاؤں مین کیدھر بھلا بے خانماں اے آسماں
دی ہے زباں بہر فغاں سو بھی نہیں اوس میں اثر
کھولوں نہ شکوے پر ترے کیونکر زباں اے آسماں
نہ رحم تجھ کو نہ اوسے نہ مجھ کو تابِ جور ہے
تو سنگدل وہ بیوفا مین ناتواں اے آسماں
کوئی مفلسی سے جاں بلب کوئی عشق مین کھینچے تعب
نالاں ہے تجھ سے روز و شب سارا جہاں اے آسماں
جیسے جہاں نالاں ہے اور خلق سب حیران ہے
ویسا ہی سرگرداں ہے تو ہر زماں اے آسماں
گُل سے نہ بُلبُل کی چلے شعلے پہ پروانہ جلے
ہاتھ اپنے بھی عاشق ملے بہر بتاں اے آسماں
روؤں دلِ صد چاک سے یا غمزۂ بے باک سے
ابتو نہیں کچھ خاک سے میری نشاں اے آسماں

یہ دل بیتاب یوں سی اب ہمیں جینے نہیں دیتا
کہاں تک اسکو ای حسرت تسلی اور دلاسا دیں

کرتے ہیں شعلے آہ سی کیا ہم زبانیاں
دیکھی نہیں ہیں اوسکی یہ آتش فشانیاں

فرہاد و قیس کی نہ کہو جانفشانیاں
ایسی سنا کیا ہوں مین کتنی کہانیاں

ٹل جائے گا ہلال فلک سے جو ابکی بار
تیوری بدل کے تم نے بھویں اپنی تانیاں

کل رات پائے خم مین جو سرخوش پڑی تھے آہ
کھینچی ہیں آج اوسکی یہ کچھ سرگرانیاں

کس کس طرح سی ہم نے کیا اپنا جی نثار
لیکن گئیں نہ دل سی ترے بدگمانیاں

عالم کے چشم دل کو تماشا تو تجھ سے ہے
تو کیوں چمن میں جاوے ہی جان جہانیاں

دیکھیں گے تجھکو آہ تو کیسی بنے گی شکل
جاتی ہی جان سُننے ہی سے لن ترانیاں

آہ و فغان و گریہ و داغ و غم و الم
یہ کتنی رہ گئی ہیں کسی کی نشانیاں

بے اختیار کھینچے ہے مجھکو تری طرف
جب دل کو یاد آتی ہیں وہ مہربانیاں

ق
کہتے ہو تم کہ آدی گا حسرت جو اس طرف
کچھ مُنہ سے ہم کہیں گے یہ باتیں بنانیاں

لیکن نہ آنا چھوڑے گا تیری گلی کا یہ
اوسکو تو گالیاں ہیں تری شوخ کھانیاں

آگے ہی اوس کے غم سے میں ہوں نیم جاں اے آسماں
تس پر نہ ایذا دے مجھے اے آسماں اے آسماں

یا اوس کو لے آ مجھ تلک یا مجھ کو لے جا اوس تلک

ای چرخ کج روش تیری گردش یہ کب تلک　　جوں گرد باد دشت میں شام و سحر پھریں
ٹک رحم ای جنون کہ وحشت سی جوں سحاب　　تا چند کوہ و دشت میں با چشم تر پھریں
اپنی تو قول و عہد کو تم جانو مہرباں　　ہم سی قسم لو قول سے اپنے اگر پھریں

افسوس راہ میں یہ سُنا یار گھر نہیں
حسرت چل اب یہاں ہی سی ہم اپنے گھر پھریں

دل کا جگر کا دوستو یا اپنے جی کا غم کریں　　کس کس کو رو ویں بیٹھ کر کس کس کا ہم ماتم کریں
یہ دل کسی عنوان سی یارب بہلتا ہی نہیں　　اس غمزدہ بیتاب کو کیونکر خوش و خرم کریں
ایسا نہیں کوئی دوست جو سمجھا کے خوباں سی کہے　　گر رحم کرتی نہیں بھلا ٹک ظلم کو تو کم کریں
نہ رحم آتا ہی اوسے نہ صبر ہے دل کی تئیں　　مشکل ہی یارب زندگی اب کس طرح سی ہم کریں
ان خوبرویوں سی مجھے ای آہ کب اُمید ہے　　تابوت پر آکر مرے ٹک چشم کو تو نم کریں
نالے پہ حکم قتل ہی رونے تو دوگے کس طرح　　فرمائیے جو کچھ ہمیں مہرباں اب ہم کریں

کچھ حال حسرت کا مجھی دکھلائی دیتا ہی زبوں
کیا خوب ہے اسوقت اگر یاسین اوس پر دم کریں

بھلائیں یار نی دل سی ہماری ور بھی یاد دیں　　عجب تاثیر رکھتی ہیں الٰہی دل کی فریادیں
یہاں کس کو سناتی ہو کہ مشکل ہی یہ جی دینا　　دیا ہی دل تو آگے ہی کہو تو جان بھی لا دیں
بہت ہم نی تو سمجھایا نہیں ہرگز سمجھتا دل　　کریں فکر اس کا ای ناصح جو اب آپ فرما دیں
ہمیشہ یہ تو کہتے ہو کہ عاشق جی سی گذرے ہیں　　اگر ارمان ہی دل میں تماشا یہ بھی دکھلا دیں

عزیز و رکھتے رکھتے ہاتھ دل پر دُکھا اوٹھا پہلو
کہاں تک زور سے اسکو رکھوں میں تھام پہلو میں

کہوں کیا گردش چشم اوسکی یوں ہم بزم آفت ہی
کہ جوں فتنہ رکھے ہی گردشِ ایام پہلو میں

نہوتا پوست تن پر استخواں ہوتی مشبک سب
یہ دل رکھتا سلامت چرخ جوں بادام پہلو میں

رہی گی کب تلک تو بے مری ای مغبچہ یونہیں
اگر تو بیٹھ کر بھر بھر پیئے گا جام پہلو میں

سماں ہم چاندنی کی رات کا تب اے فلک دیکھیں
اگر آ بیٹھے وہ ساقیِ گُل اندام پہلو میں

مجھے یوں اُنس ہی دل سی کہ جوں مانوس ہو آخر
کسی ناکام کے جا بیٹھے ہی ناکام پہلو میں

نہو رسوا کہیں تو ای میاں حسرت کی صحبت سی
روا مت رکھ کہ بیٹھے عاشقِ بدنام پہلو میں

ہوں چراغِ مردہ مجھکو کیا کری گُل آستیں
ای صبا بیداد کر لے یا تطاول آستیں

ای جنوں آنسو بھی میرے پونچھنے کو کچھ نہیں
جیب و داماں سب ہیں ٹکڑے چاک ہی کُل آستیں

وصل کا وعدہ تھا اوسے شب جو آ نکلا کوئی
کھینچ لی دھوکے سے میں نی بے تامل آستیں

آستیں اپنی چڑھالی ذبح کرتے وقت تو
پھر نچاوی خوں سے اے غیرتِ گُل آستیں

چند روز ای شوخ فندق بند گلشن میں نجا
دیکھ کر یہ ہاتھ چھوڑے گی نہ بلبل آستیں

دامنِ مژگاں سے جھاڑوں گرد تو معراج ہے
دست رس اپنا کہاں پہونچے جو کاکل آستیں

سیل میں ہو طوفان حسرت پاک کرنیسی سرشک
گر کرے دامن تجاہل یا تغافل آستیں

حاشا کہ ہم گلی سی تری آن کر پھریں
جاویں جو تیرے در سی تو ہم دربدر پھریں

بلبل و پروانہ سی صحبت ہے اب — روز ملجاتے ہیں دکھیارے ہیں

دل تو ہارا ہم نے حسرت اوسکے ہاتھ
کیا ہو لیجا کر یہ دل ہارے ہیں

گریباں چاک رہ جوں گل چمن میں — مزا ہی اور ہی دیوانہ پن میں
کہاں تک تو سیئے گا آہ ناصح — ہزاروں چاک ہیں اس پیرہن میں
ہماری بزم کو اب کرکے تاریک — گیا وہ شمع رو کس انجمن میں
اگر اے دل یہی ہی بے قراری — تو کاہے کو رہی گی جان تن میں

ندیکھا یار کو اپنے دمِ مرگ
رہی حسرت ہمارے من کی من میں

یہ آبِ آتشیں تاثیر ہی یا لُعل ہے شیشے مین — بیا ساقی عجائب شے برنگِ گُل ہے شیشے میں
کرے کیا دید زاہد خلق کی جب تک نہ مے پیوے — طلسمِ جہاں ہی جسقدر سو کُل ہے شیشے میں
مئے گلرنگ آتے ہیں سو سو رشک بلبل کو — نہیں ہے خونِ رنگِ خونِ دلِ بلبل ہے شیشے میں
پی مطرب مے جب تک کرے کب ساز کا آہنگ — یہ بیغات و عراق و کہر یوز ابل ہی شیشے میں (۹)

صدائے قلقل مینا سی یہ جانا مین اے حسرت
پری ہی رقص مین شاید جو اتنا غل ہی شیشے میں

نہ ہووی درد کیونکر آہ صبح و شام پہلو میں — کہ دل لیتا نہیں ایک آن بھی آرام پہلو میں
غضب صیاد ہی چشم شکار افگن کہ مژگاں سے — رہی خنجر بکف اوز لف کا ایک دام پہلو میں

پاسباں غیر رقیب آہ سبھی جان گئے
ابتو اوس کوچے میں جانے کی کوئی گھات نہیں

مارے گالی ہی جھڑکی ہی مجھے آٹھ پہر
اے میاں تیری شگوں کی بھی اوقات نہیں

وصل کی رات کی کیا بات کہوں لطف وسکی
جب لگا کھولنے مین بولا کوئی رات نہیں

کہتے ہیں صبر ہی ہاتھ آوے ہے وصل اوسکا لے
ہاتھ میں میرے عناں صبر کی ہیہات نہیں

تیرے گھر آیا ہوں گھر آئے کو کچھ کہتے نہیں
بیٹھنے ہی دے اگر اور مدارات نہیں

کیا تھا مجنوں میں جو وہ ہم میں نہیں ای حسرت
عشق سنتا ہی دوانے کسی کی ذات نہیں

فائدہ اسکا کہو بارے ہمیں
کیوں لگاتے ہو میاں آرے ہمیں

ہم جو کہتے ہیں کہ گل دے باغباں
وہ ہیں بتلاتا ہے انگارے ہمیں

آسماں میں کب رُکی ہے اپنی آہ
روزنِ غربال ہیں تارے ہمیں

پیار پر غیروں کے ہم کو رشک ہے
پیار کیجے خوب سا پیارے ہمیں

اوسکی قربانی ہوئی جسکے نصیب
اوسپہ لیجا کر کوئی وارے ہمیں

چھوڑ جاوے آپ ہی نہ میدان کو
جو کوئی میدان میں للکارے ہمیں

جینے ہی درد و الم ہوئیں تمیم
روزی ہیں رنج و الم سارے ہمیں

کہہ دے کوئی تیغ سی بسمل کرے
کم نگاہی سی نہ یوں مارے ہمیں

اب نہ مجنوں ہی میاں نہ کوہ کن
ڈھونڈتے پھرتے ہیں بیچارے ہمیں

ہم پہ ہی ہموار سب پست و بلند
آرے آرے تیغ کھنچے آرے ہمیں

یہ فغان و نالہ کہاں تلک کروں جور سے ترے اے فلک
ذرا چشم سے تو نگاہ کر ترے گوش اگر شنوا نہیں

مرے دل میں وہ تپ عشق ہے کہ نجات اوس سے نہو کبھی
میں بہت پھرا ہوں گلی گلی کہیں اس مرض کی دوا نہیں

نہ دوا ہی چلتی ہے کارگر نہ دعا میں باقی رہا اثر
غرض اب خدا ہی کو سونپئے کوئی اس مرض کی دوا نہیں

کسی حسرت اتنا دماغ ہے کہ ہر ایک ناز اوٹھائیے
جو ہے زندگی تو جئیں گے ہم وہ صنم کسی کا خدا نہیں

دل کو بن دیکھے تری تاب تواں ہو سو نہیں
تیرے آنے کا یہاں ہم کو گماں ہو سو نہیں

نوک مژگاں سے لہو جاری ہی رہتا ہے سدا
زخم سینے کا مرے یارو نہاں ہو سو نہیں

کھوج ملتا ہے اگر لیجے کوئی اوسکا سراغ
عمر رفتہ کا کہیں نام و نشاں ہو سو نہیں

یہ تو گردوں کو جلا دیوے اگر چاہے ابھی
بے اثر اپنی یہ فریاد و فغاں ہو سو نہیں

میرے سینے پہ تم اب رکھتے ہو مرہم کو عبث
زخم مژگاں کا ہو یہ زخم سناں ہو سو نہیں

غنچہ ساں تیرے دہن میں ہیں ہزاروں ہی زباں
ایک ہی پیارے ترے منہ میں زباں ہو سو نہیں

تو جنازے کے مرے ساتھ چلا چل دو قدم
ورنہ اس کوچے سے آگے کو رواں ہو سو نہیں

سر پہ کل آ کے مرے رو رو لگا کہنے طبیب
درد مہلک سے بھلا اب تو جواں ہو سو نہیں

ظلم کو پوچھو تو اتنا ہے کہ کچھ حد ہی نہیں
مہر پر دل میں تمہارے اے بتاں ہو سو نہیں

تجھکو رہنا ہے مرے گھر تو یہاں سے تو نہ جا
اب ترے وعدے سے حسرت کی نشاں ہو سو نہیں

تمھیں منصف ہو کہ افسوس کی یہ بات نہیں
ایک ہی شہر میں ہیں اور ملاقات نہیں

کس طرح تڑپوں شب مین بی تاب ہوکر ہر گھڑی
قید کی باعث سی رُکتا ہی مرا اے دام دم

ابر تو دریا سی لے آتا ہی پانی یاں تو نت
خالص خونِ جگر ہے چشم میں اور نام نم

دل کی آئینہ کی میرے قدر کیا جانے کوئی
ناز کرتا تھا بہت ہی سا بنا کر جام جم

شوق غنچہ کو ہوا ہی دیکھنے کا باغ میں
بول منہ سی ہے کہاں تیرا بتِ گلفام فم

ای صبا سوتی میں اوسکی زلف کو چھیڑے تو ہی
سچ کہیں تجھسی یہ ہم سی ہو سکے ہی کام کم

شاعری کی صنعتوں مین ہم سی حسرت ہو غزل
ورنہ ناجی کی طرح کہتے نہیں ایہام ہم

کٹ نہیں چکتی شب غم اور کوئی ہمدم نہیں
یا یہ شب ہی سخت دل یا صبح تجھ میں دم نہیں

آگی سو سو بار ہوا آتا تھا اوس کوچے مین آہ
ناتواں دل ہیں مرا اب ضعف سی وہ دم نہیں

گم ہوے انسان نسناسوں سی ملنا کیا ضرور
آدمی کی شکل ہیں لیکن کوئی آدم نہیں

دم میں لی آتی ہی اوسکو کھینچکر تاثیر آہ
یوں بھی ہوتا ہی گہ بیگاہ پر ہر دم نہیں

جو لچک تیوری چڑھانی میں ترے ابرو کی ہے
سچ کہوں قاتل کسی شمشیر میں یہ دم نہیں

دم مجھے دیتا ہی تو یعنی ترا ہوں آشنا
غیر سے پھر بولتا ہی کیوں اگر یہ دم نہیں

دیو بند و اک پری کا اسکو سایہ ہو گیا
پڑھ کہ اب افسوں کیوں حسرت اگر یہ دم نہیں

یہ غلط گمان کریں ہیں سب کہ فنا کی بعد بقا نہیں
تری عشق مین جو کوئی مُوا اوسی زندگی ہی فنا نہیں

گہ اشک گاہ سرشک خون گہی لخت دل کو بہا دیا
غرض اب تو تھم کہیں چشم نم مرے تن مین خون رہا نہیں

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تہ خاک
بس سنتے ہی جسکے مر گئے ہم

واماندوں پہ دیکھئے کہ کیا ہو
اپنا تو نباہ کر گئے ہم

غنیمت جانو جو دم ہیں میاں ہم
کوئی دم کو کہاں پھر تم کہاں ہم

تمھارے ڈر سے گونگے ہو رہے ہیں
نہیں تو منہ میں رکھتے ہیں زباں ہم

نہ ہم کو گل دیا اور نہ ثمر ہی
کسی لائق نہ تھے اے باغباں ہم

نگہہ کرنا نظر آوے پہاڑ اب
یہاں تک ہو گئے ہیں ناتواں ہم

بغیر از گریہ جو آتا ہے گاہے
نہیں رکھتے کوئی اب مہرباں ہم

تسلی کونسی کرتے ہو ہم کو
نہوں پھر کیونکہ غمگیں ای بتاں ہم

نہ وعدہ وصل کا نہ قتل کا قول
سو کس امید پر ہوں شادماں ہم

عجب ہی شغل میں کٹتی ہیں راتیں ق
کریں کیا تجھسے اب حسرت بیاں ہم

سبھی سوتے ہیں آنکھیں بند کر کر
کبھی چینک اٹھتے ہیں کر کر فغاں ہم

کبھی دیتے ہیں اس دل کو تسلی
کبھی رو رو کریں آنسو رواں ہم

کبھی قاتل کی باتیں یاد کرکے
خوشی ہوتے ہیں جی میں ایکزماں ہم

کبھی کرکے خیال اوسکا مخاطب
بیاں کرتی ہیں اپنی داستاں ہم

گرچہ اس دل سے گیا ہے کرکے اب آرام رم
دور کرتا ہے ولیکن کچھ ترا پیغام غم

تو آپ ہی مجھ تلک آ شوخ جس طرح جانے ۔ نہ آوے مجھکو تو خط کی جواب سے آرام

غنی بھی روتی ہیں مفلس تو اک طرف حسرت
گیا زمانے سے اب شیخ و شاب سے آرام

گو مین نہیں جلاد کی تلوار سے محروم ۔ پر چشم ہی باندھی رکھا دیدار سے محروم
جب فصل گل آئی تو پھنسے دام مین جاکر ۔ اب کے رہے یوں ہم گل و گلزار سے محروم
زنجیر بیابان تلک جانے نہ دے گی ۔ ہر آبلہ پا یہ رہا خار سے محروم
جب آیا وہ تب رونے لگی چشم رہے ہم ۔ نت دیکھنے کو دیدۂ خونبار سے محروم
بھٹکا دی ہے طوبیٰ کی ہوس جنکو جہاں میں ۔ رہتے ہیں تری سایۂ دیوار سے محروم
حسرت زدہ ایسا نہ کوئی ہوگا جہاں میں ۔ جیسے کہ رہا مین نگہہ یار سے محروم

آئے تو سبھی پر اُسے گھر پایا نہ حسرت
افسوس پھری کوچۂ دلدار سے محروم

آخر ترے غم میں مر گئے ہم ۔ بھرنا تھا جو دکھ سو بھر گئے ہم
عقبیٰ کی بھی کچھ خبر نہیں ہے ۔ دنیا سے تو بے خبر گئے ہم
اے آہ اوسے کہیں نہ پایا ۔ کل ڈھونڈھتے گھر بہ گھر گئے ہم
شبنم کی مثال اس چمن میں ۔ شب آئے تھے پھر سحر گئے ہم
کر ٹک تو اثر کہ اپنے جی سے ۔ اے نالۂ بے اثر گئے ہم
کل روتے ہوئے جو اتفاقاً ۔ ق ۔ حسرت کے مزار پر گئے ہم

مسیح چرخ سی آوے کہ ہم کو خضر ملے
ہمارے اس مرض الموت کی دوا معلوم

ہماری منہ سے تو ای شوخ کیا کہا وی ہے
بتا تجھے نہیں عاشق کا مدعا معلوم

وہ بارگاہ ہی حسرت جناب جاناں کی
کہ باریاب نہوں شاہ اور گدا معلوم

کبھی ہوں عندلیب اک دم کبھی ہوں ایک دم شبنم
وہ گل ہو وی تو ہم بلبل جو ہو خورشید ہم شبنم

مگر بیداری مردم سے فتنہ اوسکو سوجھے ہے
سحر ہوتی ہی اوٹھ جاتی ہی جو سوئی عدم شبنم

کوئی دم فرصت گریہ تجھے بھی ہی ہمیں بھی ہے
ہم اور تو رو ویں آ گلشن میں مل مل کر بہم شبنم

نہو دامان گل آلودہ بلبل اوسکے رونے سے
یہ چشم تر تو رکھ گر گل پہ کھاتی ہی قسم شبنم

سبکباروں کو سختی اور نرمی کا ٹنی دونوں
رکھے ہے خار پر بھی اور گل پر بھی قدم شبنم

جہاں میں روتی آئی روتی ہی گزری جاوے
جو یاں لائی تھی سو ہی لگی آنکھوں میں نم شبنم

تری بھی چشم میں آنسو کی بدلے خون بھر آوے
اگر دیکھے جو کچھ مجھ پر ہوا جور و ستم شبنم

نہیں ہے کام کچھ گل کو سوا ہنسنے کی اے بلبل
کری تو نالے یا روے بصد درد و الم شبنم

نہیں ملتا کوئی ہمدرد حسرت اس کو جو رووے
شتابی اس لئے کرتی ہی اس گلشن سی رم شبنم

مریں تو ہو وی ہمیں اضطراب سے آرام
کہ دردمند کو آتا ہے خواب سے آرام

میں تیری لعل کو چوسوں تو اپنی ہو تسکیں
کہ جیسے پیاسی کو ہو جام آب سے آرام

تری ہی چشم سے بدمستی کا مری ہی علاج
کہ ہو خمار زدے کو شراب سے آرام

حسرت لگاؤں کس سے دل اپنا یہ خوبرو
آتے ہیں اب نظر مجھے بیداد گر تمام

ظلم کر اور نہ رکھ عاشق بدنام سے کام
اپنے تو کام مین رہ گیا ہے مرے کام سے کام

آہ کیا جانے گل و باغ کو وہ مرغ اسیر
جسکو بیضے سے نکلتے ہی پڑا دام سے کام

گردش چشم نے ساقی کے جھکایا ہے ہمیں
کچھ نہیں ہم کو رہا گردش ایام سے کام

دل نے بھی زلف میں دلبر کے لیا جا کے قرار
سب کو ہے اپنے ہی اپنے یہاں آرام سے کام

شیخ کو اوسکے بہشتیں ہوں مبارک ہم کو
شیشہ و ساقی و گل یار و مے و جام سے کام

تو بھی ٹک جانے کہ نالے سے سزا ملتی ہے
تجھکو بلبل نہ پڑا میرے گل اندام سے کام

مے پرستی کو نہیں کہتے برا جو ہیں خاص
خلق جو کچھ کہے کہنے دو نہیں عام سے کام

صبح روشن رہے گلشن میں مبارک گل کو
حسرت اپنی مجھے غربت کی ہے اس شام سے کام

کہا تھا کس نے انا الحق رہا یہ نامعلوم
کہ بندے ہو نہیں سکتے ہیں ہم خدا معلوم

گلی میں یار کی لے جائے کون میرا پیام
فرشتے کی نہیں طاقت وہاں صبا معلوم

ذلیل اتنا سمجھتا ہے وہ کہ اب ہم پر
ستم بھی کرنے سے ننگ اوسکو ہے وفا معلوم

نہیں امید کرے اپنے تن سے جان وفا
سوا درکوئی زمانے میں آشنا معلوم

زباں سے سوز دل اپنا کہیں نہ ہم جوں شمع
پر اوسکو حال نہ معلوم ہووے یا معلوم

جیوں مروں یہی دلبر یہی ہے اونکا ستم
نصیب میں مرے ان سے ہو جز جفا معلوم

بنایا ہے کیا میرا پتھر کا سر
جو کھاتے ہو جھوٹی قسم دمبدم

ہمارے ستمگر کو تائید ہے
نیا سوجھتا ہے ستم دمبدم

پکاروں ہوں مین سُنتا جا اور وہ
اوٹھاتا ہی جلدی قدم دمبدم

بٹھایا ہی بیروں در کس کے تئیں
اوٹھے ہی کدھر اے صنم دمبدم

لکھا کس کا شکوہ ہوا کیا گناہ
کٹے ہے زبانِ قلم دمبدم

خوشامد تھی دل لینے کی پیش ازیں
زیادہ تھا لطف و کرم دمبدم

اب ایدھر سے جوں جوں سماجت ہی آہ
کرے ہے محبت وہ کم دمبدم

جو حسرتؔ وہ مغرور پڑھتا نہیں
تو خط تو بھی مت کر رقم دمبدم

عاشق تو سُست جان ہی آئے نظر تمام
ایدھر لگا وہ تیر نگہ اور اُودھر تمام

کتنا ہے کام ہستی سے جانا عدم تلک
ہوتا ہی ایک دم ہی میں یاں کا سفر تمام

صیاد آہ صدمہ قفس کا تو دُور ہے
ٹوٹے یہ تیرے ہاتھ ہی میں بال و پر تمام

بستی ہماری گھر کی تجھی سے تھی اے میاں
ویراں نظر پڑے ہی ترے بن یہ گھر تمام

شکوہ تو تب کروں جو کبھی آشنا ہوں مین
قصہ ہی تو نے کر دیا اب مختصر تمام

اللہ رے شوق رونے کا آنکھوں میں آن کر
بہتا ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو میرا جگر تمام

کیوں کر نہ تو غرور سے مچلائیاں کرے
نالے سے عاشقوں کے اوٹھا اب اثر تمام

جاتا ہی سنگدل تو کدھر تجھکو رحم نہیں
روتی ہیں میرے حال پہ دیوار و در تمام

ہمیشہ کہتا تھا میرا ہی جی فداے وصال

ہوئے ہیں تیغ محبت سی ہم ذبیح و قتیل　　ہمارا خون ہی شیریں لبوں کو مثل سبیل
زبسکہ سینہ مشبک ہی تیرے مژگاں سے　　چراغ ہی دل پُر داغ اوس میں وہ قندیل
ہماری عشق کی رشتے سے اب کٹی ہے پتنگ　　ذرا جلانی میں اے شمع اس کو دینا ڈھیل
جو پیتا مے تو نہوتا تو خشک اے زاہد　　کھلا تو پھرتی ہے تسبیح کرتی ہے تحلیل
بتوں کی مملکت حسن کا ہے عامل عشق　　یہ ملک علم کے پڑھنے سے ہووے کب تحصیل
بہار کا ہوں میں ضامن یہ عمر کا اپنی　　ہمارے ہاتھ نہ آیا دریغ کوئی کفیل

کہیں ہیں آنکھوں سی حسرت کی رود نیل بہا
یہ افترا ہی خبر لو کہیں ہیں بگڑا نیل

فتنہ و قاتل و آشوبِ جہاں یعنی تم　　ظالم و عشوہ گر و آفتِ جاں یعنی تم
خستہ و زار و دل افگار و حزیں یعنی ہم　　گلرخ و سیمتن و غنچہ دہاں یعنی تم
بیدل و عاشق و مفتون و فدا یعنی ہم　　دلبر و دلشکن و رشکِ بتاں یعنی تم
خوار و آوارہ و بیچارہ و غمیں یعنی ہم　　شوخ و طناز و ستمگارِ زماں یعنی تم
نیم جاں مردہ دل و بے سر و پا یعنی ہم　　زندگی جان جہاں عمر رواں یعنی تم

زار حسرت کش و دلریش ستم یعنی ہم
بیوفا سنگدل و سخت زباں یعنی تم

ترقی میں ہی درد و غم دمبدم　　کیے جاتے ہیں نالے ہم دمبدم

اوس گل کو دیکھا جب گیا سب درد اور الم
یہ درد و رنج ہووے ہی نایاب آج کل

تسکین آوے گی دل بیتاب کو مرے
اکسیر یا بنے ہے یہ سیماب آج کل

ساحل تلک اپنے کشتی بھی پہونچی ہے ناخدا
چھوٹی ہے ہم سے ہجر کا گرداب آج کل

حسرت جبیں سجدوں سی ہر دم کی گھس گئی
ابرو کی اوسکے دیکھیں گی محراب آج کل

ہزار شکر ہوا دل اب آشنائے وصال
کہ ایک عمر سے مرتا تھا یہ برائے وصال

رہی نہ ہوتی مری تن میں جان ہجراں سے
نہوتا وعدے سے گر درمیان پائے وصال

یہ جان وصل پہ تیرے نثار ہوتی ہے
کہ سر سے پاؤں تلک اوسکو تھی ہوائے وصال

بدن میں مارے خوشی کے نہیں سماتا ہے
کہ اوسکی کان میں پہونچی ہی اب صدائے وصال

شب فراق نے اتنا مجھے ستایا تھا
قریب تھا کہ میں دوں جان کہہ کی ہائے وصال

ترے ہی آنے کا تھا منتظر مرا یہ جی
یہی تھا عہد نہ نکلوں کبھی سوائے وصال

ہمیشہ گرچہ دعا مانگتا تھا وصل کی مین
قبول آج ہوئی ہی وہ لے دعائے وصال

نجانوں عید کا دن آج ہی امید نہ تھی
کہ لاکھ رنگ خوشی کی مجھے دکھائے وصال

یہ کیسی دولت بیدار اب نظر آئی
کہاں مین رکھتا تھا یہ طالع رسائے وصال

کدھر سی چاند یہ نکلا کہاں سی جاگے نصیب
تری تو طبع سی تھا دور مقتضائے وصال

توقع اب مری آنکھوں کو کب تھی دیکھنے کی
امید دل کو کہاں تھی کہ تیرا پائے وصال

خوشی سی ہووے ہی حسرت تو آج شادی مرگ

نہ بیتابی سے مجھکو تم کرو اب منع ای یارو
نہیں دل بس میں میرے تو ہوں مجبور کیا حاصل

ستم آباد ملکِ حسن ہی مت چاہ داد ای دل
نہیں اس ملک میں انصاف کا دستور کیا حاصل

عزیزو سو طرح سے تم کرو منت سماجت اب
نہیں حسرت سی ملنا یار کو منظور کیا حاصل

حسن سے جس کی ہووے ماہ خجل
نہ کری مجھکو اوس کی چاہ خجل

دیکھا جب اوس پہ کچھ نہ کی تاثیر
ہُوا میں دل میں کرکے آہ خجل

اوس سی جب شکوی کرنے لگتا ہوں
کرتی ہے مجھ کو وہ نگاہ خجل

پوچھ تو ٹک ہی کس پہ فریادی
آپ ہی ہووی گا دادخواہ خجل

شہ خوباں نہ کر غرور اور ناز
ہوئی احسان سے سپاہ خجل

پہلے پروانے سے جلے ہے شمع
ٹک تو ہو دیکھ کر پناہ خجل

اشک کہتی ہیں ہم حنائی ہیں
سرخرو خواہ ہوویں خواہ خجل

اوس کی بخشش کے آگے اے یارو
ہووی ہے یہ مرا گناہ خجل

شعر پڑھ سے آگے حسرت کو
کرے احمق کی واہ واہ خجل

ہوتا ہی وصل پھر دلِ بیتاب آج کل
ہو جاویں گے یہ دن بھی میاں خواب آج کل

شکوہ نہ اہل شہر کرو میرے اشک کا
ہوتا ہی خشک چشم سے خوناب آج کل

یا وہ ہی آن پہونچے ہے یا جاتے ہیں ہمیں
بنتا ہی کچھ وصال کا اسباب آج کل

اللہ ہی کرے تو وہ جیتا پھر آملے
اک سنگدل کی دام میں اب تو پھنسا ہی دل

پوچھتا ہی تو نہیں اپنے گرفتار کا حال
رو دیا جس نے سنا اس دل افگار کا حال

دن ہی تو گریہ ہی اگر رات ہی تو رونا ہے
کیا بیاں کیجئے اس دیدۂ خونبار کا حال

آہ صیاد تو کیا پوچھے ہی بلبل کی خبر
دیکھ ٹک جا کی قفس کی در و دیوار کا حال

جو کچھ احوال مرا غم سے ہوا ہی یا رب
نہ تو کافر کا ہو یہ حال نہ دیندار کا حال

گر میں کچھ عذر کروں آپ کی فرمانے سے
کیجئے وہ حال مرا جو ہو گنہگار کا حال

رونا آتا ہے مجھے جان یہ اپنی یارو
ق
کیا کہوں تم سی میں اب اپنی ستمگار کا حال

آشنا کی نہیں پوچھی ہے کبھی آکے خبر
روز جا جا کے اوسی پوچھنا اغیار کا حال

کہیو قاصد کہ موا ہوگا تڑپتا تھا پڑا
پوچھے وہ شوخ اگر **حسرت** بیمار کا حال

جو کھویا چشم نی رو رو کے اپنا نور کیا حاصل
نہ ہوگا مہرباں رونے سی وہ مغرور کیا حاصل

عبث نالو و رونی کبھی اس نیند میں مت کر خلل ای دل
ترا یہ درد نالے سے نہ ہوگا دور کیا حاصل

نہیں طاقت کہ اس پہلو سی اوس پہلو کو کروٹ لے
عبث اوٹھنی کا مت کر قصد ای رنجور کیا حاصل

ستم تو نے کیا مجھ پر سو میں جانوں کہ تو جانے
ہر اک سی کہہ کے کرنا آپ کو مشہور کیا حاصل

وفا کی تو نے ہی یا میں نے ہی گذری جو کچھ گذری
عبث مت چھیڑ پھر جانے دی یہ مذکور کیا حاصل

مرے گھر کو چراغاں مت کرو گر صبح محشر ہو
نہ ہو روشن جدائی کی شب دیجور کیا حاصل

گاہ رونا گہہ تڑپنا گاہ ٹکراوے ہے سر
ہائے دل افسوس دل اے وائے دل اے وائے دل
دل پہ رونا مجھ کو آتا ہے عزیز و دمبدم
کب تلک دلدار بن غم کھائے دل اے وائے دل
پیچھے یہ کہتا رہے آوے تو اپنا غم کہوں
جب وہ آوے دیکھ کر شرمائے دل اے وائے دل
مین کہوں چھوڑ اوس کی الفت دل سے ہر گز نہ چھوڑ
دل کو مین اور میرے تئیں سمجھائے دل اے وائے دل
مین جو حسرت اوس کے کہنے مین لگوں اے وائے مین
ورنہ راہِ راستی پر آئے دل اے وائے دل

ق

مین کیا کہوں کہ کیسا جگرا اور کیا ہی دل
آتشکدہ جگر ہے یہ ماتم سرا ہے دل
ناصح تو آہ رونے سی مت منع کر مجھے
کیونکر نہ روؤں مین کہ مرا گم ہوا ہی دل
تو چاہے جان بخشی کر اب خواہ قتل کر
جس مین تری رضا ہو سو کر مبتلا ہی دل
کیا ہی جو آج چشم سے دریا نہیں رواں
ہمراہِ موجِ اشک مگر بہ گیا ہے دل
کچھ اور آرزو نہیں یا ور ہوں گر نصیب
دیکھا کروں مین تجھکو یہی چاہتا ہے دل
حسرت سی مین کہا کہ تو اتنا ہی کیوں اوداس
شاید کہ اندنوں مین کسی کو دیا ہے دل
کہنے لگا نہ پوچھ کئی دن سے اے عزیز
بیوجہ میرے ہاتھ سے جا تا رہا ہے دل

پیارے شکست رنگ کو چہرہ سی میرے زیب
اور تیرے منہ سی دہر میں ہی شان آب رنگ

خونی دلوں کی حسرت دل وو (۹) دیکھ
حسرت ہوا جہاں میں حیران آب رنگ

تری فرقت میں ہی شام و سحر مجھکو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل ہے دن کاٹا تو شب مشکل

کرم سی کھول جو عقدی پڑے ہیں کام میں میرے
تری آگے ہیں سب آساں مرا گی ہیں سب مشکل

تو کہتا ہی کہ دم کی دم تحمل کر میں آتا ہوں
میاں تجھ بن تو مجھکو ایک دم بھی ہی غضب مشکل

نہو جب دیکھنی کی تاب ہجر و وصل ہی یکساں
غرض جو آگی سر مشکل تھی وہ ہی ہی مجھکو اب مشکل

کہاں تک بیقراری ای دل بیتاب ٹک بس کر
ہوا جینا مجھی دنیا میں اب تیرے سبب مشکل

نہوں مضطر کبھی میں بستگی سی کام کی اپنی
کہ وہ آسان کرتا ہی مجھے ہوتی ہی جب مشکل

ابھی تو حسرت اوسپر عشق یہ پوشیدہ ہی تیرا
وہ جب پہچان جاوی گا تجھے ہووے گی تب مشکل

دام میں یوں زلف کے آجائے دل اے وائے دل
کیا بلا لایا یہ مجھ پر ہائے دل اے وائے دل

دیکھتے ہی اوس کو پہلے کھو دیا صبر و قرار
آگے کیا آفت مجھے دکھلائے دل اے وائے دل

کس طرح سے نالۂ و فریاد و زاری چھوڑ دے
جب ترے ہاتھوں سے یوں دکھ پائے دل اے وائے دل

برق نے بدلہ لیا اب کہ ہوا تھا میرے
پاؤں کے آبلہ سے خار بیاباں بیباک

اب نہیں خوف اسے چاک کا ای گل ہرگز
کر دیا دست جنوں نے یہ گریباں بیباک

حق کی بخشش کے مقابل ہو یہ دن محشر کے
دیکھ حسرت کہ ہی کتنا مرا عصیاں بیباک

نت مجھکو تیری بو کے لیے ہی صبا سے جنگ
جب تک نہ تیر پاؤں کروں میں ہوا سی جنگ

مجھسے لڑے ہی کیا کہ تو کیوں دیکھے ہے مجھے
کیوں خوبرو بنایا تجھے کر خدا سے جنگ

تیور چڑھا کے ہونٹھوں ہی میں کچھ کہے ہے تو
کہہ کون کر سکے ہے میاں اس ادا سے جنگ

روٹھے ہی جب تو آنکھ اُٹھا دیکھتا نہیں
نام خدا ہی یاد تجھے کس حیا سے جنگ

لڑنے سی اوسکے ہووے ہے اثبات دوستی
یارو کوئی بھی کرتا ہے ناآشنا سے جنگ

جس وقت ہم نے نالہ کیا تو نے غل کیا
بلبل ہماری تیرے بھی ہے سدا سے جنگ

تیرا تو ذکر نہیں تو برا مانتا ہے کیوں
حسرت کو ہی گا اپنے دل مبتلا سی جنگ

ہر چند کان لعل کی ہی کانِ آب و رنگ
پر تیرے لب کو دیکھا تو ہی جانِ آب و رنگ

گو آب و رنگ غنچہ بگلستاں ہیں گل سی ہے
پر چہرہ یار کا ہی گلستانِ آب و رنگ

شبنم کے اشک سے نہ خفا ہو گلِ چمن
ہی تیرے حسن کا یہ نگہبان آب و رنگ

اوسکے بغیر چاک سی یوں جیب گل کی جان
کھینچے ہی اب بہار گریبانِ آب و رنگ

مرجان و لعل لاویں کہاں سی یہ جو کہ ہے
اس تیرے اشک سرخ میں سامان آب و رنگ

لگی سر سے لی پاؤں تک اوسکے آتش
کہیے شمع سوزِ نہانی کہاں تک

نہیں چھٹتی اے جان دل کی محبت
بناؤگے باتیں زبانی کہاں تک

مرا رنگ دیتا ہے مُنہ پر گواہی
چھپے عشق کی یہ نشانی کہاں تک

گیا خواب تو چشم سے میری حسرت
کہے گا تو غم کی کہانی کہاں تک

کوئی دشمن سی بھی کرتا ہی اس اسلوب سلوک
دوستی کر کے میاں تم نے کیا خوب سلوک

مطلب اک دیکھنے سے ہی سو تمھیں دیکھیں گے
نہ وفا آپ کی منظور نہ مطلوب سلوک

مار بھی کھاوینگے دشنام بھی سُن جاوینگے
کہیئے کیا ان میں سے ہی آپکا مرغوب سلوک

بوسہ کا نام ہی بس سنتے ہی مُنہ پھیر لیا
روز ہی ہم سے کیا ای بُت محبوب سلوک

خون مانع ہے وگرنہ جو کیا یوسف سے
بھائیوں سے کرے اوسکو وہی یعقوب سلوک

دل دیوانہ کو میرے تو کہے راہ پہ آ
کہہ تو اے شیخ کہ کب جانے ہے مجذوب سلوک

یار کے جور و جفا سے نہ خفا ہوں حسرت
کہ ہی محبوب کا سب مجھکو تو محبوب سلوک

دل عاشق سے ہے یوں جلوۂ جاناں بیباک
خس و خاشاک سے جوں آتش سوزاں بیباک

آسماں ڈر سے رکھتا ہے سپر بہر پناہ
بسکہ ہی تیر نگہ کا ترے پیکاں بیباک

تیر و خنجر کو تو ہے ٹوٹنے جھڑنے کا خطر
پر قیامت ہیں تری ابرو و مژگاں بیباک

اُوسنے غصہ کیا اور بس وو ہیں یہ رونے لگے
کس قدر ہیں یہ مرے دیدۂ گریاں بیباک

ہو بیدلی اب مجھکو مبارک کہ گیا دل — اور دل کو مرے کوچۂ دلدار مبارک

ق

قربانی کی یہ عید کا دن تجھکو سزاوار — حسرت کے تئیں خنجر خونخوار مبارک

ہونا ہو مبارک اسے بسمل ترے ہاتھوں
اور قتل ہو اُس کا تجھے اے یار مبارک

ہم کو نہ مرگ نے نہ قضا نے کیا ہلاک — اوسکے ستم اور اپنی وفا نے کیا ہلاک

اوس چشم نرگسی کا تری یار کشتہ ہوں — تو مت خفا ہو تیری بلا نے کیا ہلاک

ظاہر میں گو تپاک نظر آوے ہے ترا — کس سی کہوں کہ جور و جفا نے کیا ہلاک

اُوٹھ کر چلا تو جب تو ہوا نیم کشتہ مین — پھر پھر کے دیکھنے کی ادا نے کیا ہلاک

ٹک آنکھ اوٹھا کے دیکھ ذرا مُنہ سی بول کچھ — اے جان مجھکو تیری حیا نے کیا ہلاک

اوس لب پہ لب کو رکھتے ہی مین جاں بلب ہوا — افسوس ہی کہ مجھکو دوا نے کیا ہلاک

دل سنگدل بتوں کو کوئی اپنا جب کہ دے
حسرت پھر آہ اوسکو خدا نے کیا ہلاک

اگر ہے یہی خستہ جانی کہاں تک — کرے گی وفا زندگانی کہاں تک

وہ ہے عمر اور عمر سو بے وفا ہے — یہاں یار کی مہربانی کہاں تک

جہاں تک بہاریں ہیں اونکو خزاں ہی — رہے دوستاں یہ جوانی کہاں تک

تبسم کی فرصت نہیں گل کو تھوڑی — رہے عیش اور شادمانی کہاں تک

جگر بہہ گیا دل ہوا آب سارا — بھلا چشم یہ خونفشانی کہاں تک

اشک بھی خوب وہی ہے کہ اثر ہو جس میں
لاکھ مینہ سہی ہے بھلا قطرۂ نیسانی ایک

ہر سرِ مُو کی ہوا میں ہے پراگندہ یہ دل
کہ مرے یار نے بھی بات مری مانی ایک

مان کہنا مرا کہنے کو تو یہ بات رہے
کہ مرے یار نے بھی بات مری مانی ایک

نل دمن شیریں و فرہاد و زلیخا یوسف
ایک پران سی بھی کرتا تھا ستم رانی ایک

خاطریں رکھتے بھی تھے عاشق و معشوق بہم
ایک جی دیتا اگر دیکھتا حیرانی ایک

مجھکو حسرت یہ رہی لاکھ تری جور سہے
قدر دانی مری پر تونے نہ کر جانی ایک

اس صید کو ہو جی کا خریدار مبارک
صیاد تجھے تازہ گرفتار مبارک

بلبل کو خوشی ہو کہ پھنسی دام میں گل کے
اور گل کے تئیں بلبل گلزار مبارک

ہنسنا تجھے روزی ہو مری حال زبوں پر
رونی کو مجھے دیدۂ خونبار مبارک

تجھکو ہو سزاوار مرے دل کا جلانا
اور دل کے تئیں داغ ہوں دو چار مبارک

گلبرگ مبارک ہوں تجھے دل کے یہ ٹکڑے
پہلو میں مرے دل کی جگہ خار مبارک

ہو تجھکو مسیحائی مبارک مرے دل کی
اور مجھکو ترے عشق کا آزار مبارک

دے عشوۂ سفاک تجھے تہنیتِ قتل
اور مرگ مرے جی کو ستمگار مبارک

تجھکو ستمِ تازہ مبارک ہو مری جاں
اور مجھکو غم نو سے سروکار مبارک

روپوشی سزاوار رہے یار سے تجھکو
عاشق کو ترے حسرتِ دیدار مبارک

شاہی کی تری مجھ سی ہے شان و صلابت
مجھکو تری خدمت ہو سزاوار مبارک

پہونچاتے ورنہ ہاتھ ہم اوسکے قدم تلک

گیا وہ نورِ نظر تب سے ہی جہاں تاریک
نظر پڑے ہے زمین اور آسماں تاریک

خدا کے واسطے اے ماہ ٹک نظر آجا
کہ روتے روتے ہوئی چشم خونفشاں تاریک

شکست دل کو نہو جب تلک نہ روشن
رہے ہے رخنۂ روزن بنا مکاں تاریک

سیاہ چشم تمھاری سیاہ زلف اور خال
نہو وے کیونکہ جہاں مجھپہ ای بتاں تاریک

شتاب آکہیں اے مہر انورِ عالم
ہوا ہی تیرے بن اب روزِ عاشقاں تاریک

یہ کیا ستم ہے کہ تم شمع بزم غیر ہو اور
ہماری بزم کو کرجاؤیوں میاں تاریک

جلے ہے شام سے تا صبح لاکھ مشعلِ آہ
چراغ بن رہی عاشق کا گھر کہاں تاریک

ق
کسی غریب کی آنکھیں تو ہوں بھلا روشن
فلک جو دیوے تو دے بخت سرمہ ساں تاریک

نہ مثلِ دُود دو دخاں ہو کہ جس طرف جاوے
کرے اک آن میں عالم کا خانماں تاریک

ق
جہاں میں رسم ہی جس گھر میں کوئی مرتا ہے
تو چھوڑتے نہیں اوس گھر کو یکزماں تاریک

سو آج رات میں رخصت ہوں اور یار بغیر
پڑا ہی کلبۂ احزاں مرا یہاں تاریک

خدا کے واسطے اوس شمع رو کو ٹک لاؤ
کہ تا رہے نہ مرا گھر بھی دوستاں تاریک

بتوں کے حسن پہ جو چشم وا نہو حسرت
رہی تمام جہاں اوسپہ جاوداں تاریک

ہو گئے سگھل کے سب اعضا مری جسمانی ایک
اتنا رویا کہ ہوا میرا لہو پانی ایک

عکس آئینۂ وحدت ہی تو بیشک بخدا
سارے عالم میں نہ پیدا ہو ترا ثانی ایک

چمن میں سینۂ پر داغ لیکے کیا جاویں
کہ ہم رہے نہیں سیرِ بہار کے لایق

تمام جل کے ہوئے غم سے مثل خاکستر
رہے نہ خار بھی جو ہوں شرار کے لایق

چمن میں سبزۂ خوابیدہ تیری قدر نہیں
یہاں سے اُٹھ کہ تو ہے مزار کے لایق

دلِ رمیدہ مرا بھاگتا ہی جوں وحشی
تو صید کر اُسے ہی یہ شکار کے لایق

نہ بزم عیش میں اپنی جگہہ دی حسرت کو
یہ جا نہیں ہی میاں سوگوار کے لایق

مشکل ہمیں ہوا ہے پہنچنا عدم تلک
یاں جس سے جی لگایا سو آیا نہ ہم تلک

خنجر ترا گلے سے دم واپسیں ملا
یوں چاہیئے نباہ کی ہی شرط دم تلک

مضمون لکھتے لکھتی گیا وہیں سینہ چاک
پہونچا جو حرف عشق زبانِ قلم تلک

دل میں لہو کا نام نہیں خاک رویئے
لے گئی اولچ اولچ کر یہ چشم نم تلک

جسدم پھری نگاہ تری ہم تمام ہیں
اپنی جو زندگی ہے سو تیرے کرم تلک

آیا میں چھوڑ کعبہ کو پھر دیر میں ولے
شرمندگی سے جا نہیں سکتا صنم تلک

رکھتا ہے بسکہ طول الم قصۂ فراق
پہونچا کبھی نہ حال ہمارا رقم تلک

خوگر ہو جس کو زہر وہی اوسکی زیست ہی
میری بھی جان تن میں ہی اُس درد و غم تلک

گو دل مرا یہ طائر باغ بہشت ہے
کافر تجھے حلال ہے صیدِ حرم تلک

ق
حسرت ہزار رنگ سی بولا میں جھوٹ سچ
یعنی کہ نوبت آوی سخن کی قسم تلک
لیکن سمجھ کے بات کو اوسنے اُڑا دیا

نکر تو بوسہ اب دینے میں انکار — مجھے ہے لعل شکر بار کا شوق
دم آخر اوسے دیتے ہیں ظالم — چلے جس چیز پر بیمار کا شوق

اوٹھا سب سے سخن کا شوق حسرت
رہا ہے ہاں مگر دو چار کا شوق

گر ہر شجر کے برگ پہ لکھیے بیان عشق — تو بھی تمام ہو نہ سکے داستان عشق
مرتا نہیں وہ عشق میں جس نے کہ جی دیا — جیتے ہیں روز حشر تلک کشتگان عشق
برباد جس طرح سے دیا مجھ کو عشق نے — ہووے خراب ایسی طرح خانمان عشق
ہم خوش ہیں درد و غم ہی سی عاشق کو ہے خوشی — ای عیش جا یہاں سی کہ نزل ہی مکان عشق
ٹکرا کے سر کو کوہ سے کہتا تھا کوہ کن — ق — شیریں کو نہیں یقین مرا ہی گمان عشق
بھیجا ہے بیستون پہ مجھے جوے شیر کو — ہوتا ہی اسقدر بھی کہیں امتحان عشق
حسرت عبث چھپاتا ہی تو مجھسے حال دل — ق — ظاہر ہی تیری بات سے ناداں نشان عشق

عاشق نہیں تو کیوں ہیں یہ اشعار دردناک
پہچانتے ہیں ہم بھی تو آخر زبان عشق

جو دل کو نذر کرون کب ہے وہ یار کے لایق — گہر ہیں اشک کے سو ہیں نثار کے لایق
رہی یہ جان سو اندوہ سے مکدر ہے — نہ لایق اوسکے نہ اس خاکسار کے لایق
وہ غم ہے سینہ میں پنہاں کہ گر سناؤں اوسے — تو ہوں خجل وہ نہیں غمگسار کے لایق
بنایا ہوتا ہمیں سنگ کچھ تو کام آتے — نہیں ہیں ہم تو کسی کاروبار کے لایق

ہے وہ خورشید یہ ضیا حسرت
اتنا ہے بندے اور خدا میں فرق

کرتا ہی دل سفر تو ہے تاب و تواں رفیق
اور کوچ جان کری تو ہے آہ و فغاں رفیق

لختِ جگر کا قصد اگر ہوئے کوچ کا
تو سب یہ اشک چشم کا ہی کارواں رفیق

گریاں سی عیش کوچ کری ہے تو اوسکے ساتھ
ہی لطف زندگانی کا اے دوستاں رفیق

گر دل سی رخت باندھی ہے اپنا شکیب و صبر
ہی ساتھ اوسکے چشم کا خوابِ گراں رفیق

جاتی ہی گر بہار تو بلبل کا جی ہے ساتھ
اوس تیز رو کا ہوئے ہی یہ ناتواں رفیق

کرتا ہی گر وہ جان جہاں اب سفر کا عزم
جیدھر کو جائے اوسکا ہی سارا جہاں رفیق

گر یار کا وداع ہی حسرت تو اوسکے ساتھ
یہ سب رفیق اور ہماری ہی جاں رفیق

اگر ہے آخری دیدار کا شوق
یہی ہی وقت آگے یار کا شوق

گریباں سی مرے کچھ تار لیجا
اگر عاشق کو ہو زنار کا شوق

سلامت ہی رہی یہ داغ دل کا
بھلایا جس نے سب گلزار کا شوق

ہماری استخوان سی نے بناؤ
اگر ہے درد کے اظہار کا شوق

لگا دو کشتیاں رونے پہ یارو
ہوا ہے دیدۂ خونبار کا شوق

مرا شام و سحر لیتا ہے جی آ
بتوں کی زلف اور رخسار کا شوق

حوالے کر دیا ہم نے تو دل کو
جو لیکر پھر نہ دے تو یار کا شوق

ہم کو تو منافق ہی سمجھتا ہے وہ اے وائے
کیا جانیے کیونکر ہوئے اغیار موافق

قسمت جو دکھاوے سو ہمیں دیکھنا ای شوخ
تیرے لئے سب سے ہوئے ناچار موافق

سنتے تھے اوٹھے آخری دوراں میں محبت
سو دیکھ لئے اوسکے سب آثار موافق

ازبسکہ مین آزار سے کرتا ہوں سدا ساز
ہے مجھ سے بھی اسواسطے آزار موافق

پروانے میں اک گرمی ہے اور شمع بھی ہے گرم
قسمت ہی سے ملتے ہیں خریدار موافق

زاہد کی طرح گوشے ہی میں بیٹھے کریں عیش
گر ہم سے بھی ہو چرخ ستمگار موافق

بلبل نہیں منہ دیکھا میرے غنچہ دہن کا
ہے اس سے تجھے صحبت گلزار موافق

دعوای نبوت کروں حسرت مین سخن میں
گر یار ملیں مجھکو بھی دو چار موافق

اتنا ہے مجھ میں دلربا میں فرق
جتنا ہے شاہ اور گدا میں فرق

مہر معلوم ہو نہ تیرا غضب
کچھ بھی ہے جور اور جفا میں فرق

سب سے یکساں تو مجھکو جانے ہے
کیا ہے پھر غیر و آشنا میں فرق

وہ سسکتا رکھے یہ جی لیوے
اتنا ہے ناز اور ادا میں فرق

مجھپہ دونوں سیہ کریں ہیں جہان
کیا ہے اوس زلف اور بلا میں فرق

حسن اور عشق میں ہے فرق ایسا
جیسے ہے درد اور دوا میں فرق

نالہ کب بلہوس کرے مجھ سا
زاغ و بلبل کے ہے نوا میں فرق

وصل اور ہجر میں ہے فرق اتنا
جتنا ہے زیست اور فنا میں فرق

یہی ہے اوسکا میاں تتمہ مختصر انصاف

تڑپوں تو ہی طبیعت قاتل کے برخلاف　　اور صبر کر رہوں تو ہی اپنے دل کی برخلاف

حیراں ہوں کیونکہ ضبط طپیدن کروں کہ آہ　　یہ رسم وقت ذبح ہے بسمل کے برخلاف

بکتا ہے گرچہ ناصح بیہودہ گو بہت　　خاموش میں بھی ہو رہا جاہل کی برخلاف

زاہد سے آسمان ہے موافق وگرنہ اب　　جو کام اوسکا ہی سمجھے ہے عاقل کے برخلاف

ہرگز نہ جمع ہوویں کہیں عاشقی و صبر　　دونوں ہوئے ہیں جمع یہاں دل کی برخلاف

دریا سمایا ایسے دل تنگ میں کہ ہے　　جس کا کنارہ وسعت ساحل کی برخلاف

یہاں برق چاہیے تو یہ برسائے ابر کو
حسرت فلک دے خواہش حاصل کی برخلاف

عاشق کو آہ قتل کرے ہی اجل فراق　　جاتا ہی یار پاس سے اے جان الفراق

دو چار روز عرصہ کھینچے گا نجان یہ　　لیتا ہی میری جان میاں آج کل فراق

واللہ فرق کچھ نہیں حشر اور فراق میں　　الہجر کالقیامۃ والحشر کالفراق

دل اور جگر کباب ہوئے سوز ہجر سے　　احرقتنی بنارک یا ایہا الفراق

کیا تاب ہی اجل کو جو لے جان عاشقاں　　عاشق کو ہی نصیب اجل کی بدل فراق

ممکن نہیں کہ وصل میں ہوں شعر درد کے
حسرت کہا وے مجھسے تو ایسی غزل فراق

گو ہم سے ہوئے طالع بیدار موافق　　لیکن نہ ملا ہم کو کوئی یار موافق

پہ ڈرجاتا ہوں اوسکے غصہ سے مین
دوہیں بھاگوں ہوں کھا کے ناچار خوف

کیجیے کچھ تو ستم کی تخفیف
ٹک تو ہو مجھکو الم کی تخفیف

دم شمشیر مرے قاتل کا
مجھکو دیتا نہیں دم کی تخفیف

ہوچکا خون جگر اب کہ ہوئی
کچھ مری چشم میں نم کی تخفیف

خرچ کیا ہوتا تھا جانے سے مرے
کیا ہوئی میرے صنم کی تخفیف

دل گیا خوب ہوا یہی کو مرے
اب بہت ہوگئی غم کی تخفیف

لشکر غم کو جگر کی تنخواہ
خرچ افزوں کیا کم کی تخفیف

خط کی لکھنے ہیں اوسے اے حسرت
ہے سیاہی و قلم کی تخفیف

تری بغیر کسے سونپوں عشوہ گر انصاف
سُنے ہے کون کہوں کس سے تو ہی کر انصاف

عجب ہی رسم ہے اس شہر میں بتاں کی آہ
کہ دادخواہ پھرے ان پہ گھر بہ گھر انصاف

سزا دی شمع کو پروانہ کے جلانے کی
حضور عشق کے ہے کام کس قدر انصاف

کوئی نہ پوچھے جو چاہے سو چھین لے دل کو
جہاں سے اوٹھ گیا اے ہوشاں کدھر انصاف

بغیر تیغ کہ دو حصہ کرتی ہے یکساں
نہ آئے آہ زمانے میں اب نظر انصاف

ہمارے جرم کے لایق ہیں سزا پہونچا
رکھے ہے اجر و جزا حاکموں کا ہر انصاف

ذرا بتا دے کہ حسرت کو کس نے قتل کیا

کیا ستم ہے ساقیا ہم کو جو تو جانے حریف
مُنہ تکیں ہم اور سب پئیں بھر بھر کے پیمانے حریف

ایک نظر دیکھا تھا کیا تجھکو کہ آیا مجھپہ ظلم
کیا کہوں میں ہو گئے سب اپنے بیگانے حریف

دُرد ہی مے کی عنایت ہو مجھے پیر مغاں
کر گئے خالی اگر سارے ہی خمخانے حریف

دی پٹکنا جام کو پتھروں سے شیشے پھوڑنا
دیکھ بدمستی مری ہوتے ہیں دیوانے حریف

عشق سے کیونکر نہ ہوئے حُسن کو یارو حجاب
قاعدہ ہی ہر کوئی یاں اپنا پہچانے حریف

غیر کا کیا شکوہ کیجے مارتا ہے دل کا رشک
مجھکو لیجاتا ہے واں یہ سب لڑوانے حریف

گرتے ہیں لاکھوں ہی جل جل کر بجھانے کی تئیں
دوست ہیں اس شمع کی یا ہیں یہ پروانے حریف

سچ تو یہ ہی طرز حسرت کے سخن کی خوب ہے
میں کہے جاؤں گا اسپر گو بُرا مانے حریف

نہیں مرگ کا مجھکو زنہار خوف
جو تیری جدائی کا ہی یار خوف

مری آہ سے گر نہیں تجھکو ڈر
بھلا یا خدا کا ہی اِک بار خوف

وہ رہتا ہی تیور چڑھائے کہ جو
کروں رات دن میں گنہگار خوف

نہ بہہ جاؤں میں بھی اِن اشکوں کے ساتھ
مجھے ایسا ہی چشم خونبار خوف

یہ زلفِ بتان ناگنی ہے بلا
کرے اوس سے ہر کوئی ہشیار خوف

ہوا ہول دل جب سُنا اوسکا کوچ
ہوا عشق میں اور آزار خوف

ارادہ نہیں قتل کا بھی مرے
دلاتا ہے وہ کھینچ تلوار خوف

سو حسرت ڈرا میں تو عاشق ہوا
ق
نہیں عشقبازی میں درکار خوف

اب تلک منہ سے ملے ہے خاک اور حیران ہے
ایک دن آئینہ لایا تھا جو رُو تیری طرف

دیدۂ خورشید سے گویا کہ خوں جاری ہوا
کس میں طاقت جو ملادے چشم کو تیری طرف

تیری الفت نے حنا اور برگ پان سے کیا کیا
خون ہو رہتے ہیں ظالم ایک دو تیری طرف

نامہ بر بیکس وصبا کو تو بتادیوے ہوا
کس کو پھر بھیجوں بھلا اے تندخو تیری طرف

دل کا سیرے کیا نشاں پوچھے ہے کیا بتلاؤں آہ
میں بھی آنکلا ہوں کرتا جستجو تیری طرف

بحث میں ملزم ہنوز نہار تو اے مدعی
آہ میں اوسکی طرف ہوں اور رو تیری طرف

عشق کا جذبہ کبھی تو کھینچ لاوے گا اوسے
حسرت اب آتا نہیں وہ شوخ گو تیری طرف

جاتا ہے جو کوئی گل وشمشاد کی طرف
حسرت سے دیکھتا ہوں میں صیاد کی طرف

چلتا ہے نہ یہی چال کج مرضی میں اوسکی ہے
ہے آسماں بھی اوس ستم ایجاد کی طرف

خسرو کو اوسکے قتل کا گو فکر تھا دریغ
شیریں ہوئی نہ تو بھی تو فرہاد کی طرف

میرا ہی خوں چڑھا مری گردن پہ آن کر
جو کھینچ لیچلا مجھے جلاد کی طرف

اے گل تیری جمال پہ بلبل ہے اک ہزار
عالم ہے اوسکے حسن خداداد کی طرف

لڑتا ہے عکس سے کہ نہ دے آئینہ کو رُو
یاں تک مزاج اوسکا ہے بیداد کی طرف

ہر آن ہوتا جاوے ہے نالہ میرا بلند
شاید کہ اوسکا گوش ہے فریاد کی طرف

حسرت تمام خلق کھنچے ہے اوسے کی اب
ایک میں ہی میں ہوں اس دل ناشاد کی طرف

کمر سے جب تو کھینچے ہے اوسی دم
بشر کیا کوہ کی کاٹے کمر تیغ

اکڑ کر چل کہ ہوں پامال عاشق
جو چاہے قتل کو رکھ دوش پر تیغ

مری رطب اللسانی میں اثر ہے
نہوتی آپ ہرگز کارگر تیغ

درشتی چھوڑ دی ہم نے تو حسرت
کرے ہے نرم شے پر کم اثر تیغ

روشن کرے ہے گل سے سحر کو چراغ باغ
بھولا یہ ہوش دیکھ تجھے ہو کے باغ باغ

مستوں کی میکشی کو چمن میں ہر ایک صبح
دیوے گلابی غنچے کو گل کو ایاغ باغ

چاہا تھا تیرے مُنہ کی کرے یہ برابری
دیتا ہی یار اس لئے لالہ کو داغ باغ

مصروف گُل کھلانے میں رہتا ہے ہر سحر
رکھتا ہی بلبلوں کی طرف سے فراغ باغ

وہ گل تو اپنے گھر نہیں رہتا نسیم وار
جاتا ہوں صبح اوٹھ کے برائے سراغ باغ

کب بوئے گل خوش آوے ہے ہم کو بغیر یار
کرتا ہے منتشر یہ ہمارا دماغ باغ

کیونکر زبان یہ بند کرے بلبل حزیں
حسرت اگر پسند کرے صوت زاغ باغ

ٹک نہ مڑتی تھی لگی بس آنکھ جو تیری طرف
وقت مرنے کی کھچے پتلی بھی سو تیری طرف

دل سے جب کہتا ہوں میں اوس سنگدل سے تو نہ مل
مجھکو دیتا ہی جواب سخت ہو تیری طرف

حشر میں دیگا گواہی کون تیری قتل کی
خلق ہو جاوی گی سب آ جنگجو تیری طرف

کب دماغ اتنا ہی تجھکو تو جو آوے باغ میں
چھوڑ گلشن کو چلے ہر گل کی بو تیری طرف

کریں گے نہ پھر مہربانی دریغ

ملتا نہیں کسیکے تئیں کچھ نشاں سراغ
اے عمر رفتہ تیرا میں پاؤں کہاں سُراغ

دل بھی تری تلاش میں گم ہو گیا مرا
پوچھوں سو کس سی جاکے میں اب نہجاں سُراغ

گلشن میں دشت و کوہ میں کون و مکاں میں
کس کس جگہہ پہ لیتے ہیں وہم و گماں سُراغ

پر تو کسی کو ملتا نہیں کھوج کیا کریں
آپ ہی بتادے اپنا تو اے جان جاں سُراغ

دل کو مکان تیرا سمجھا اس میں کی تلاش
دیکھا تو خود مکیں کا کرے ہے مکاں سُراغ

پائے چمن میں بو تری پہونچے نسیم ہو
وہاں ہم سی پوچھنے لگا سب بوستاں سُراغ

جانا کہ کارواں میں تو یوسف سا ہوئے گا
دیکھا تو آپ ڈھونڈے ہے ہر کارواں سُراغ

ہفتم فلک پہ پہونچی تجھے عقل ڈھونڈتی
گردش سے دیکھا لیتا ہے یاں آسماں سُراغ

حسرت تو تھک کے بیٹھ رہا آپ ہی بل بل
کس کس جگہہ کرے یہ ترا ناتواں سُراغ

جو میں گردن پھراؤں دیکھ کر تیغ
پڑے اے شوخ میری جان پر تیغ

مرے سجدے کو ہے محراب کی شکل
تری ابرو جو آتی ہے نظر تیغ

نہیں ابروے پُرخم میں تری مو
یہ جوہر دار ہے گی سر بسر تیغ

کدھر ان ابرو و مژگاں سے بھاگوں
نظر آوے ادھر تیر اور ادھر تیغ

نگہ کو خواب سنگیں سے نکر باز
ٹک اس سنگِ فساں سے تیز کر تیغ

تغافل اور ادا کافی ہے مجھ کو
سنبھالے ہے عبث ظالم سپر تیغ

تجھ سا مہرۂ داغ ہجراں دے کے یوں جاتا رہے
حیف غم افسوس حسرت ہائے حرماں وائے داغ

دیکھنے جاتا ہی تو گلشن میں سیر لالہ زار
یہ دل پرخوں ہمارا کس کو جا دکھلائے داغ

چرخ بد مہری سے لاکھوں داغ دیتا ہی مجھے
ایک بھی سینے سے میرے گر کوئی مٹ جائے داغ

سخت بیدردی ہی بیدردوں سے کہنا دردِ دل
منتِ مرہم نہ لیجے کھینچیے ایذائے داغ

داغ تر رہتے نہیں جب لالہ پژمردہ ہوا
دلِ مرا مرجھا گیا ہی کیوں نہیں مرجھائے داغ

جان جاتی ہی مری درد و الم سے کیا کروں
آہ ای بیتابیٔ دل وای شورش ہائے داغ

کیا غرض ہی جو کسی گل کے لئے گل کھائیے
دل میں حسرت داغ ہیں ظاہر میں نہیں پر وائے داغ

ذرا قدر اسکی نہ جانی دریغ
گئی رائیگاں زندگانی دریغ

نہ کہتی تھی پیری کہ ہوں بار دوش
کدھر ہے دریغا جوانی دریغ

خزاں میں یہ گلزار کہتا ہے اب
گیا موسمِ گل فشانی دریغ

ہوا سینہ اب غم سے یوں خارزار
گئی دل کی سب شادمانی دریغ

فسانہ تھا ہستی کا اپنی یہاں
سو آخر ہوئی یہ کہانی دریغ

ہوئے دستگیری کے محتاج ہم
ترے ہاتھ سے ناتوانی دریغ

سفیدی نظر آئی ہر مو کے بیچ
ہے صبحِ سفر کی نشانی دریغ

ہم اپنا دریغ آپ دل میں کریں
کرے گل یہ کوئی زبانی دریغ

جو حسرت سے ملتے ہیں اب جیتے جی

یونہیں عمر کی ہم نے ہیہات ضائع
ہوئی آہ و نالے میں اوقات ضائع

دیا خون دل گریۂ بے اثر کو
گئی سب ہماری مدارات ضائع

گلا اور بھی اپنے رونے سے مزرع
کرے جیسے شدت کی برسات ضائع

مری کشت کو اشک آہ ایسے ہیں جوں
کرے برق و باراں کی اوقات ضائع

نہیں سنتا میری یہ نادان دل اب
یونہیں کہہ کے کرتا ہوں ابیات ضائع

غرض صبر بن کچھ نہ بن آوے حسرت
مگر کہہ کے غم کی حکایات ضائع

تری نگہ کا یہ دل ہی بسمل مگر تغافل شعار ضائع
جو ذبح کر کر خبر نہ لیوے تو ہووے آخر شکار ضائع

یہ باغ و گل دیکھنے کی خاطر بنا ہے ای باغباں ستمگر
مگر تو در بند ہم پہ گلشن وگرنہ ہے سب بہار ضائع

ہزار خون جگر سے پیدا کئے ہیں میں نے یہ پانچ چار اشک
مگر تو ای چشم میرے اشکوں کو ہو کے یوں اشکبار ضائع

ہمارے اس دل کی قدر و قیمت ہے لعل و گوہر سے بھی فزوں تر
یہ کوئی ہے اب اسے کیا ہے اگرچہ غم سے ہزار ضائع

جو زیب دستار ہیں نہیں ہیں تو کام آویں جلانے ہی کو
عزیز رکھتے ہو گل کو گو تم کرو نہ یہ مشتِ خار ضائع

نہ اوسکے دامن تلک ہی پہونچا نہ آستاں ہی تئیں اپنی پایا
ہوا یونہیں آہ اوس گلی میں مرا یہ مشتِ غبار ضائع

گھڑی گھڑی دل کو کیا لگاتا ہے ان بتوں سے بتا تو حسرت
اگر ترے کام کا نہیں ہے تو ہونے دے ایک بار ضائع

ای فلک باقی نہیں ہے میرے جگر میں جائے داغ
اور کیوں دیتا ہے مجھکو داغ بر بالائے داغ

ایک دم بجھا ہے میرے سینے سے نہیں سرکا کبھو
روز و شب یہ تو جلا کرتا ہے یارو ہائے داغ

طمع وہ نفس کی بد ہے کہ گر ملے اس کو
تو باغ کیا یہ نہووے بہشت پر قانع

کلال سے نہیں شکوہ کہ خوب و زشت کیا
جو ہم بنے سو بنے ہیں سرشت پر قانع

کسی کا سبزہ و گل دیکھ ہو نہ رشک ہمیں
ہم اس چمن میں ہیں اپنی ہی کشت پر قانع

حرم کا بھاری تھا پتھر سو چوم چھوڑ دیا
ہوئے ہم آن کے اپنے کنشت پر قانع

لکھے سے اپنے نہ حاصل ہو گو ہمیں حسرت
ہوئے مثال نگیں سرنوشت پر قانع

کرے ہے سفر جانِ جاں الوداع
دل و جان و تاب و تواں الوداع

جرس کوچ ہے قافلہ کا تو کہہ
بفریاد و آہ و فغاں الوداع

خزاں آئی اور کہہ گئی یوں بہار
گل و بلبل و بوستاں الوداع

قدم اوس نے باہر رکھا یُوں اُٹھے
در و بام صحن و مکاں الوداع

چلے ہم تو صیاد کے دام میں
گل و گلستاں آشیاں الوداع

وہ کرتا ہے بار اپنا رختِ سفر
دل و چشم و اشکِ رواں الوداع

خبر کوچ کی سُن اوٹھے سب پکار
دہن کام و لب اور زباں الوداع

قیامت سے ٹوٹا یہ غم کا پہاڑ
سر و سینہ و استخواں الوداع

لگے کہنے حسرت کا احوال دیکھ
سبھی طفل و پیر و جواں الوداع

عجب شخص ہے جس کے جانیکے وقت
کہے ہے زمیں آسماں الوداع

غم کس طرح سے اسکو نہیں ہے پتنگ کا / رونے ہی سے ہے شمع کے ظاہر ملالِ شمع

ہر بار سر کو کاٹو کریاں روشنی رہے / گویا زباں سی بزم میں ہے یہ سوالِ شمع

پابند عشق کرتے ہیں آتش سی سوز و ساز / جلنے بغیر اور نہیں کچھ مجالِ شمع

مت سوزِ دل کو لا تو زباں پر گھڑی گھڑی
حسرت ہوئی ہے چرب زبانی وبالِ شمع

تجھکو کب کرتا ہوں ای ظالم ستمگاری سی منع / دل کو میری تو بھی مت کر گریہ زاری سی منع

غیر کو کرتا ہی کیچے میں نہ آنے دو اسے / مین کیوں آؤں کہ مت کر ایسی تو خواری سی منع

کیا کروں دل تو کسیکی بات سنتا ہی نہیں / جو سنے ہی اب کرتا ہے تری یاری سے منع

آگے ہر اک سی مین کہتا تھا لگاؤ تم بھی دل / سبکو اب کرتا ہوں مین دل کی گرفتاری سی منع

جی تو میرا بھی یہ چاہی ہے دلا جاؤں وہاں / بس نہیں تجھکو بھی مین کرتا ہوں لاچاری سی منع

مجھکو یہ ڈر ہی کسی دل سی نہ نکلے کوئی آہ / دوست اوسکا ہو سو ٹک کر دل آزاری سی منع

آپ بھی تو کعبے کے پتھر کو پوجے ہے یہ شیخ / مجھکو کرتا ہی عبث بُت کی پرستاری سے منع

عشق نے تو کہدیا مجھکو نہ دل دی اور کو / حسن نے کیونکر کیا ہی اوسکو دلداری سی منع

سرنوشت اپنی یہ کرتا ہی عمل دن رات یہ
کر سکے ہی کون حسرت کو گنہگاری سے منع

حریص ہو نہ کبھی خوب و زشت پر قانع / وہ مرد ہیں کہ جو ہیں سرنوشت پر قانع

کسی کو لعل و گہر چاہیئے کسی کو گل / ہم اس جہان میں ہیں سنگ و خشت پر قانع

نہیں ہوتا جدا وہ چھوڑ کر منہ ہوا ہے تیرے منہ پر مبتلا لفظ

ہوا ہے مستِ لغزش اس سبب سے میاں لب کا ترے کیفی ہے کیا لفظ

بہت مشتاق ہے سننے کا حسرت
کوئی تو منہ سے کہہ بہرِ خدا لفظ

مئے مغاں سے نہ مستِ الست ہو محظوظ وہ اور مے ہے کہ جس سے یہ مست ہو محظوظ

ہمارے دل کو مقابل رکھے کوئی اوسکے کہ دیکھ آئینہ وہ خود پرست ہو محظوظ

شکستگی کو میرے رنگ کی دکھادو ذرا کہ باغ دہر میں رنگِ شکست ہو محظوظ

خدا کرے گرے گریہ سے مجھپہ وہ دیوار کہ خوب سینہ و سر پا و دست ہو محظوظ

رہا کر اس دلِ بیدست و پا کو اے صیاد کہ تیرے دام سے یہ کر کے جست ہو محظوظ

بہت اسیری کی دل کو ہوس ہے زلفیں گوندھ کہ دیکھ زلف کا یہ بند و بست ہو محظوظ

ہماری شعر کو صائب کے تئیں سنا حسرت
کہ قافیوں کی وہ سن کر نشست ہو محظوظ

دیکھا نہ ہوتا کاشکے اس ذی جمال شمع پروانیکو فنا ہے (۹) کیوں وصال شمع

بالیں سے میری شمع کو جلدی اوٹھاؤ تم آتش لگا دے ہی میرے سینہ میں حالِ شمع

فانوس ہی پہ مر رہیں گے سر کو مار مار ممکن نہیں کہ چھوڑیں پتنگے خیالِ شمع

گو تن بدن تمام مرا غم سے گھل گیا نقصان جسم شمع ہے آخر کمالِ شمع

جلنا بدن کا اپنے میں اے عشق کیا کہوں ہر استخوان تن میں مرے ہے مثالِ شمع

گئی تاب و تواں اب رہ گئی ہے جی کیا کریگا تو
جو جانا ہی انہیں ہے یونہیں اب چل مل خدا حافظ

نہ عاشق میں رہی دم اور نہ ناقہ چلے تھم تھم
غرض دونوں کا اب ای صاحب محمل خدا حافظ

اوٹھا کیفی جو وہ اور لغزش اوسکے پاؤں نے دی
ہوئی برپا قیامت بولی سب محفل خدا حافظ

نہیں اہل جہاں کی زندگی کی شکل ای حسرت
مزاج اسکا بہت ہی جور پر مائل خدا حافظ

بستی کا اور دیوانوں کو تن کا نہیں لحاظ
عریاں ان کو رہنا بدن کا نہیں لحاظ

یوسف کی اپنے بو سے صبا ہم تو مست ہیں
بوئے گل اور بوئے سمن کا نہیں لحاظ

شبنم گلوں کی آب گئی تیرے اشک سے
جنگل میں ورنہ تجھکو چمن کا نہیں لحاظ

بیرحم اپنے شہر کے لوگوں کو تو نہ لوٹ
ہے ظلم تجھکو اہل وطن کا نہیں لحاظ

آپس میں درد ہجر سے کیا کر رہے ہیں جنگ
کچھ تن کو جاں کا جان کو تن کا نہیں لحاظ

ہر دم کھلا ہی جائے ہی اوس منہ کو دیکھ کر
غنچہ کو کچھ بھی اپنے دہن کا نہیں لحاظ

وقت وداع کہتا ہی اوس سے کہ بیٹھ جا
حسرت کو آج اپنے سخن کا نہیں لحاظ

تری لکنت کا کیا ہے خوشنما لفظ
قیامت ایک ادا سے ہوا ادا لفظ

زباں تیری زبس ہے لطف کی جا
یہاں اٹکے ہے اکثر جابجا لفظ

تصدق ہونے کو تیرے دہن کے
کرے منہ گرد منہ کے بارہا لفظ

نکلتا نہیں سخن جلدی دہن سے
کہ تا اِک دم ہو اِس سے آشنا لفظ

تو حسرت کو نہ بھول اور وہ نہ تجھ کو
وفا اور جور بھی اس بار کر شرط

بر وقت لکھ کے بھیجا مجھے تونے یار خط
آیا مشام جاں کے لئے مشکبار خط

اس بلبلِ حزیں کے تئیں انتظار میں
پہونچا ترا بصورتِ باغ و بہار خط

قاصد صبا سے بھی تھا سبکرو کہ جسکے ہاتھ
بھیجا تھا تونے لطف سے اے گلعذار خط

فی نے غلط کہا مین جسے وہ تھا جاں بخش
آتے ہی اُسکے جی گیا مین در کنار خط

جانا کہ خاک سمجھتا ہے تُو مجھے
جو لکھ کے بھیجا مجھ کو بخطِ غبار خط

کاغذ تھا اوسکا صبحِ سعادت مرے لئے
اور شامِ وصل دِل کے لئے مشکبار خط

جس ہاتھ سے لکھا ہی فدا اوسپہ میری جان
اور خط پہ ہو دیں لالہ رخوں کی نثار خط

اور جس قلم کو لے کیا تونے یہ خط رقم
ایسا لکھے نہ لوح و قلم زینہار خط

مضمون اوسکا پڑھ کی ہوا دِل یہ باغ باغ
پیچیدہ تھا اگرچہ بہت غنچہ وار خط

حسرت کی سرنوشت میں یہ تھا تو خط لکھے
یارب لکھا کرے تُو یونہی بار بار خط

کیا ہی تونے ایک عالم کے تئیں بسمل خدا حافظ
نہ پہونچی تجھکو چشمِ زخم اے قاتل خدا حافظ

عزیزو فاتحہ ایک خیر کا اسکے لئے پڑھنا
چلا ہی اوس ستمگر کی گلی میں دِل خدا حافظ

چمن میں سیر کو خونریز آیا کون سا بلبل
لہو میں غنچے ڈوبے گل ہوئی گھائل خدا حافظ

گیا دن ہجر کا جوں تیوں تو اپنی شامِ غم اے دِل
ہوئی ایک اور اب تجھ پر بلا نازل خدا حافظ

جہاں سے لے چلے ہم داغِ عیش و داغ نشاط

اتنی مجھے نہیں ہی دل وجاں کی احتیاط
منظور جتنی ہی تیرے پیکاں کی احتیاط

گر ہے یہی بہار کی شورش تو ناصحا
مجھ سے نہ ہو سکے گی گریباں کی احتیاط

مجمر میں دِل کے جلتی ہی مثلِ سپند جان
کب تک کروں میں نالہ و افغاں کی احتیاط

آتی ہی کوئی دم میں خزاں توڑ دے گل
کیا باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

ازبس کہ اس میں رہتا ہی اکثر خیال یار
کرتا ہوں اپنے دیدۂ گریاں کی احتیاط

مسمار ہووے دِل نہیں مجھ کو ذرا بھی غم
کرتا ہی کون خانۂ ویراں کی احتیاط

گر ہے یہی بتوں کی دلا ابروؤ نگاہ
کب تک کروں گا میں سر و ساماں کی احتیاط

پھر اس سی میرے پاؤں کے ہے آبلوں کو کام
اے برق کیجو خارِ بیاباں کی احتیاط

حق جسکو معصیت سی بچا دے، وہی بچے
حسرت نہ کام آوے کچھ انساں کی احتیاط

میاں ہے دِل کے سودے میں نظر شرط
یہ تجھ سے کہہ چکا میں تھی خبر شرط

وفا کب تجھ سے ظالم ہو سکے گی
مین کہتا ہوں کہ آ ہرگز نہ کر شرط

ہوئے ہم دِل سے ہی تیرے خریدار
خریداروں میں کیا ہی مال و زر شرط

فغاں تیری یہ بے حاصل ہے بلبل
نہیں ہے عاشقی میں شور و شر شرط

یہ دِل بے بال و پر ہے عرش پرواز
نہیں پرواز کو ہے بال و پر شرط

جو گذرے یار گذرے از سرِ نو
ہم اور تو باندھیں آ بارِ دگر شرط

تو نے اے غم ان کو بھی کھویا رلا کر ہے غضب
تھے کئی ٹکڑے جگر کے چشمِ گریاں کی بساط

کیونکہ جیویں ٹوٹے جب چھاتی پہ یہ غم کا پہاڑ
تو ہی کر انصاف آخر کیا ہے انساں کی بساط

ایک بوسہ دیتے ان کا حوصلہ ہوتا ہے تنگ
خوب حسرت دیکھ لی ہم نے بھی خوباں کی بساط

وعدے تو تیرے روز کے کیونکہ نہ سمجھیں ہم غلط
باتوں سے تیری پر ذرا کرتے ہیں اپنا غم غلط

صبح نہ آوے گا نہ شام سر کی مری قسم نہ کہا
تجھکو یہ کب عزیز ہے سمجھوں میں میں قسم غلط

لایا تھا اوسکے آنے کی قاصد براست کو خبر
وہ بھی خبر نصیب سے ہو گئی ہے ستم غلط

بخت میں میرے وصلِ یار لکھ کے قضا نے یوں کہا
جلد اوٹھاؤں حرف یہ اب تو ہوا رقم غلط

کعبہ میں جانے کا سبب پوچھ کے تو نکر خجل
کیا کہیں ہم سے ہو گئی راہ تک اے صنم غلط

میری سے یار کیا تجھی کرتی تھی کج مگر گماں
ورنہ نشانہ تیر سے ہوتے ہے تیرے کم غلط

حسرت اگرچہ ہے بہت اے بتِ نکتہ چیں فصیح
پر تیرے ڈر سے اسکی بات نکلے ہے دمبدم غلط

سمومِ غم نے خزاں کر دیا ہے باغِ نشاط
مخالفت سے ہوا کی بجھا چراغِ نشاط

چمن میں کر کے تبسم یہ غنچہ کہتا تھا
کہ ایک دم نہ ملا ہم کو یاں فراغِ نشاط

مدام جامِ ہلاہل ہی بھر کے دیتا ہے
ہمیں کبھی نہ دیا چرخ نے ایاغِ نشاط

معاف رکھ تو خوشی سے ہمیں برائے خدا
ستم زدوں کو کہاں ناصحا دماغِ نشاط

تمام عمر کٹی درد و غم میں اے حسرت

خواہ اس کو قصہ سمجھو میری جاں خواہ عرض

میری ہی ملنے سی ہاں کیوں نہو انکار فقط　　چاہیں سب وصل کو میں طالبِ دیدار فقط
اے فلک بادہ کشوں کو مئے و میخانہ دار　　بلبلِ زار کو رہنے کو دے گلزار فقط
ثمرۂ گل ملے ہر نخل کو اے بادِ بہار　　میں ہی کیا باغِ جہاں میں ہوں گنہگار فقط
دردِ ہجراں کی اذیت سی بتنگ آیا ہوں　　ورنہ دشوار نہیں عشق کا آزار فقط
بھوں چڑہانے سے بھی مرتا ہوں نلیے ہاتھ میں تیغ　　بس ہی مجھ کو ترے ابرو ہی کی تلوار فقط
عشوہ و ناز و ادا لاکھ ہیں باتیں اوس میں　　دل بچے کیونکہ نہیں ہی وہ طرحدار فقط
اور خوباں میں جفا ساتھ وفا بھی کچھ ہے　　جور ہی جور ہے تجھ میں تو ستمگار فقط
آہ ہر دل کے خریدار ہیں لاکھوں تسپر　　ق　　دل کا حسرت کے ہی ایک تو ہی خریدار فقط

بت برہمن کو مبارک رہے زاہد کو خدا
جس کو جو چاہی ملے مجھ کو مرا یار فقط

قابل غارت نہیں اس خانۂ ویراں کی بساط　　دیکھ لی دستِ جنوں میری گریباں کی بساط
کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نی فلک　　ہائی اوس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط
اوس گلی سے تو کری اوسکو مقابل سو نہو　　مشت گل ہی باغباں تیری گلستاں کی بساط
دین و ایماں کرکی غارت دل کو بھی وہ لیچلا　　تھا یہی مجھ غمزدے مسکیں پریشاں کی بساط
دو نو عالم کا ہی عرصہ تنگ وحشت پر مری　　میں قدم صحرا میں رکھوں کیا بیاباں کی بساط
ساقیا کیا مست ہو وی کوئی اوسکے دور میں　　ہی فقط اکِ جام واژوں چرخِ گرداں کی بساط

پیدا ہو فہم سُننے سے میرے کلام کے
حسرت ہی ایک خلق کو میری زباں سے فیض

عشق تو شیریں ہی کر تیغ زنی کے عوض
کرتے ہیں ہم جانکنی کوہ کنی کے عوض

پیرہنِ گُل میں خار رکھ گئی بادِ بہار
یعنی ہے سختی ہزار گلبدنی کے عوض

کرتے ہیں ہم کس قدر جان کو تُجھ پر فدا
کیجیو ٹک دلبری دل شکنی کے عوض

مُردہ دلوں کی جو پاس پیرہنِ چاک ہے
جامۂ اطلس نہ لیں اِس کفنی کے عوض

گنج کو قاروں کے کیا کریں اہل ہمم
جان ہی برباد ہو مالِ دنی کے عوض

ہاتھ سے میرے نہ کھو کام کا تیرے نہیں
جان کو اس دلِ خوں شدنی کے عوض

تیری خموشی سے آہ تنگ ہے حسرت کا دِل
تلخ ہے کچھ مُنہ سے کہہ کم سخنی کے عوض

کرتی ہی تیرے گوش میں زلفِ سیاہ عرض
رکھتے ہیں یعنی کتنے دلِ دادخواہ عرض

ناز و ادا و غمزہ کہیں تجھ سے میرا حال
شاہوں سے حال خلق کری ہے سپاہ عرض

بلبل! نہیں ہیں گوش گراں گل کی پر تری
سنتا ہی تیرا شاہ بصد عزّ و جاہ عرض

حیرت سے دیکھتا ہوں تری مُنہ کی میں طرف
یعنی کہ حال کرتی ہی تجھ سے سیاہ عرض

جو آکے روز کہتی ہیں اُن سے خفا ہے تو
کرتا ہوں میں تو تجھ سے میاں گاہ گاہ عرض

کج کرکے بیٹھا اور بھی اپنی کلاہ وہ
جب سُن چکا تمام مری کجکلاہ عرض

حسرت کا حال ہی سو کہے گا تمام یہ

اُوٹھا وہ حرف محبت ہی اب میاں ہم کو
سرشت اوسکی جو ہی تو کسی طرح سے نجائے

نہ ظلم و جور سے رنجش نہ کچھ کرم سے غرض
کوئی جیے کہ مرے پر اُسے ستم سے غرض

جو دیکھے خاک سے پُر کاسہ سرِ جمشید
تو حسرت اب نہ رکھے کوئی جامِ جم سے غرض

سبھی کہتے ہیں یہ بُرا ہے مرض
الٰہی بھلا عشق کیسا ہے مرض

نکلتا نہیں سخت جانی سے جی
مرے جی کے ہاتھوں خفا ہے مرض

دوا محض بے گانہ لگتی ہے یاں
مری چشم سے آشنا ہے مرض

وہ مِل جائے تو یہ مرض دور ہو
کھومت مرا لا دوا ہے مرض

بلا ہو کے فتنہ اوسے دیکھنا
مری آنکھ کو بھی بلا ہے مرض

سراسیمہ حسرت نہو اس قدر
ق
اگر زندگی ہے تو کیا ہے مرض

وگر موت ہے تو یہی ہے شفا
ہمیشہ میاں کب رہا ہے مرض

میخانے میں ہوا ہمیں پیرِ مغاں سی فیض
قسمت میں شیخ کی نہیں اس آستاں سی فیض

کھلتا ہی اوس گلی کی ہوا سی ہمارا دل
افسردہ خاطروں کو نہیں بوستاں سے فیض

ہر ذرہ مہرِ فیض کا جس کے نشان ہے
ساری جہان کو ہی اوسی بی نشاں سی فیض

نقصان دِل کا کر چلے یہ کاروانِ اشک
یارو یہ اس سرا کو ہوا کارواں سی فیض

ہے اشکبار خلق کی ہمت پہ چشمِ تر
یعنی کہ اوٹھ گیا سبھی اہل جہاں سی فیض

گو کبک خوشخرام ہے لیکن کہاں ادا
رکھتی ہے باغِ حسن میں اوسکی یہ چال نقص

گو آئینہ ہے صاف کہاں اوسکے رخ سا ہے
اسپر تو زنگ آکے رہے ہے مآل نقص

ذاتِ خدا کی طور ہے بے عیب میرا یار
حسرت کرے نہ جسپہ کوئی احتمال نقص

جو چاہے تجھ سے کرے خلق بیشتر اخلاص
کرے جو دشمنی تجھ سے تو اُس سے کر اخلاص

تو اپنے دل سے رہِ دوستی میں رہ صادق
دلِ عدو کو بھی کر دیوے گا جبر اخلاص

اثر رکھے ہے محبت جو صاف دل سے ہو
کرے اِدھر ہی کا جا کر اثر اُدھر اخلاص

وہ گو کہ دشمنِ جانی ترا ہو تو رہ دوست
کہ کر رہے گا ترا اسپہ بھی اثر اخلاص

یہ دوست جان تلک دیں رہِ محبت میں
کہ دوست سے کریں پیدا یہ دیکھے سر اخلاص

متاع و مال رکھیں یار یار سے نہ عزیز
وہ سفلے ہیں جو کریں بہرِ مال و زر اخلاص

ہزار رنگ پھریں لاکھ تلخ ہو دیں کام
رہے عزیز دلوں میں جوں شیر اور شکر اخلاص

جہاں میں ایک سے تو دوستی رکھ اے حسرت
اگر نہ کر سکے عالم میں گھر بگھر اخلاص

نہ ہووے شیخ کو گو دیر اور صنم سے غرض
نہ ہم کو اوس سے غرض ہے نہ اوسکو ہم سے غرض

چرا کے آنکھ بھلا اب یونہی سے چلے جاؤ
کبھو تو ہو دیگی تم کو بھی جان ہم سے غرض

خرابِ وادیِ اُلفت نجانے کفر اور دین
کہ دیر سے اوسے ہے کام نے حرم سے غرض

سُنا یہ نغمۂ جانسوز نالۂ نَے سے
کہ ہاں ہر ایک کو ہے اپنے اپنے دم سے غرض

اوٹھا کر زخم یہ گھائل کرے رقص

وہ شاہ چاکری میں رکھے اپنی عام خاص
مین جانتا ہوں آپ کو اوس کا غلام خاص

سب کو بلایا بزم میں مجھ کو کہا کہ آ
تم جان لو اسی سے دیا مجھ کو کام خاص

اوروں کو جام مے دیا مجھ پر نگاہ کی
دیکھو کہ ساقی نے یہ دیا مجھ کو جام خاص

ڈرنا ضرور مجھکو نہ اغیار کو ہراس
رہتے ہیں خوف و وہم میں یار و تمام خاص

اوسکی جمال کی نہیں جا میری چشم چھٹ
ہی عاشقو نشست کا اوسکی یہ بام خاص

ہر شام و ہر سحر تجھے کرتا ہوں مین دعا
دو وقت ہیں قبول کی یہ صبح و شام خاص

عالم میں نام احمد و محمود سب کا ہے
حسرت دیا ہی عشق نے مجھکو یہ نام خاص

ہرگز رکھے نہ ماہ کا میرے جمال نقص
مہ دن کو روشنی ہی بدی ہی کمال نقص

خورشید دن ہی کو نظر آوے وہ روز و شب
یہ بھی نہ اس سی ہو کہ ہو اس کا زوال نقص

گل کی بہار کو بھی خزاں اسکو ہی شتاب
اوس سا بھی اسکے حسن کو کرنا کمال نقص

گو لالہ سرخ رنگ ہی رکھتا ہے داغ داغ
ظاہر کرے ہی خلق پہ اس کا یہ خال نقص

نرگس ہی اوسکی چشم سی بینائی پر کہاں
دینا ہی اوسکی آنکھ سے اسکو مثال نقص

سنبل ہیں پیچ و تاب ہے پر اس میں بو کہاں
کہنا اوسے ہی یار کی زلفوں کا بال نقص

ہی مشک بھی سیہ پہ ہی آہو کے خون سے
گر کہیئے اسکو یار کے چہرے کا خال نقص

گو سرو راست ہی یہ کہاں اس میں نازکی
ہمدوش اوسکے جاننا اوسکا نہال نقص

کہ جاؤں بتکدہ میں تو کروں خدا کی تلاش

کیا کہیئے عشق میں دلِ بیتاب کا خواص
ایسا ہے جیسے آگ پہ سیماب کا خواص

ملنے سے روزِ حشر سے تعبیر نیک و بد
بیداریِ جہان میں ہی خواب کا خواص

کرتا ہی جوشِ دل ہی میں رونے کے ضبط سی
پیدا کیا ہی اشک نے گرداب کا خواص

تیری گلی کی خاک پہ آجاوے مجھکو نیند
اس خاک میں ہی بسترِ سنجاب کا خواص

ہوتا ہی دل کباب ترے بن شراب سے
آتش سی بھی زیادہ ہی اس آب کا خواص

دل چاک اوس کے حُسن کو ہوتا ہی دیکھ کر
اِس میں کتان کا اُس میں ہی مہتاب کا خواص

زاہد کو فائدہ نہ ہو آخر خمیدگی
پایا ہی اس نے سجدے میں محراب کا خواص

عیسٰی ہو تو بھی وہ رہے سوزن کا مبتلا
حسرت یہی ہے عالمِ اسباب کا خواص

ہمارے قتل پر قاتل کرے رقص
اور اوس قاتل پہ یہ بسمل کرے رقص

کرے آپ ہی سرودِ نالہ آپ ہی
مرے سینے مین میرا دل کرے رقص

نوا بلبل کی نہیں درکار ہرگز
فغانِ زاغ پر کاہل کرے رقص

وہ سلمٰی اس میں گر محمل نشیں ہو
تو اے لیلی تیرا محمل کرے رقص

ہمارے جسم میں ہے جاں کی شوخی
نہیں ممکن کہ آب و گِل کرے رقص

سرود و قول کب بے یار خوش ہے
یونہیں یہ شیخ بے حاصل کرے رقص

ترے ابرو کا ہو زخمی جو حسرت

جیتے جی کبھو لطف یہ تیرے مین نہ بھولوں
ہو دل سی نہ میرے تری بیداد فراموش

ناصح کی سخن بھول گئے فصل جنوں میں
دن جمعہ کے ہو طفل کو اوستاد فراموش

کہتا ہی خبر گیری تری مین نہیں بھولا
ہو یاد کسے جب کرے صیاد فراموش

شیریں صنموں کا جو کیا ذکر مین سن کر
شب شیخ نے اپنے کیئے اوراد فراموش

جب قتل کرے گا تو تڑپنے مجھے دیجو
یہ بات نہ کیجو مرے جلاد فراموش

وہ گلبدن آوے جو چمن میں کرین حسرت
اب بلبل و قمری گل و شمشاد فراموش

مجھے جہان میں ہی ایک آشنا کی تلاش
جو آشنا ملے تو اوس سے ہو وفا کی تلاش

نظر ہی آتا نہیں کوئی خوبرو مجھ کو
جو آوے بھی نظر اوس کے رہے ادا کی تلاش

کسی ہی طور سے آوے نہ ہم تلک وہ شوخ
جو لاوے چرخ اوسے تو رہے حیا کی تلاش

کسی ہی طور بتوں کو نہ ہم پہ رحم آوے
جو آوے رحم تو پھر دل کو ہی جفا کی تلاش

بہار آتی نہیں جلد اور خرابی ہے
تو ہوتی ہی مجھے گل کے لئے صبا کی تلاش

کبھی یہ دست جنوں سی نہیں ٹھہرتی جیب
جو ٹھہرے ہاتھ سے ایک دم تو ہی صبا کی تلاش

کسی ہی طور یہ ہستی نظر نہیں آتی
جو کوئی دم نظر آوی تو پھر فنا کی تلاش

کبھی یہ جان میری جان میں نہیں رہتی
جو غم سی چھوٹ رہی تو ہے پھر بلا کی تلاش

ہزار کھاؤں مین غم کاہ کی طرح ہوں زرد
بنوں بھی کاہ تو ہوتی ہی کہربا کی تلاش

ہنسیں ہیں میرے کرس آئین پر سب ای حسرت

جونہی ذکرِ عشق چھیڑا بس ہوائی ہوش ہین
آگئے حسرت کچھ رہا مجھکو نہ افسانے کا ہوش

کرے دل کی زلفِ گرہ گیر نالش
کہ وحشی سے کرتی ہے زنجیر نالش

مجھے شکوہ کرتے نہ تعزیر پہونچا
کہ مجھ سے ہوئی تیری تقصیر نالش

مخاطب نہو مجھ سے اس واسطے وہ
کہ ہے سربسر میری تقریر نالش

نہ مانع ہی شکوے کی خاموشی اوسکی
مُصوّر سے رکھتی ہے تصویر نالش

ترے شکوہ سے نالہ مین جو کیا ہے
ہوئی آہ میری گلو گیر نالش

نہ رحم آوے وہ تو کرے گا ستم ہی
اُسے کر رہے گی یہ تاثیر نالش

کوئی تجھکو اے شوخ دِل پھر نہ دے گا
جہاں مین جو پاوے گی تشہیر نالش

دلِ خوش ہے درکار شکوے کو بھی کچھ
کرے کیا تری اب یہ دلگیر نالش

جواب اک تو خط کا وہ لکھتا نہیں ہے
کروں کیونکہ تسپر مین تحریر نالش

چُھڑائے گی اس سے جفا اور ستم کو　ق
نکالی ہے اس دل نے تدبیر نالش

ولیکن مجھے خوف آتا ہے حسرت
نہ دلواوے کچھ اس کو تعزیر نالش

ہو قول کسے اے ستم ایجاد فراموش
دیکھیں بھلا ایسے میں بدیں یاد فراموش

دِن وصل کا جو گذرے کوئی دم تو خوشی سی
غم کو جو کرے ٹک دلِ ناشاد فراموش

گر عشق ہی جاوے تو یہ غم دل سی نجاوے
کب دام کرے بلبلِ آزاد فراموش

تو کارواں میں نہ کرتا نالہ و فغاں خاموش

نہوتا آہ میں پروردۂ چمن اے کاش
قفس ہی ہوتا سدا سے میرا وطن اے کاش

میں آنکھیں کھول قفس ہی کو دیکھتا صیاد
نہ دیکھتا گل و ریحان و نسترن اے کاش

نگاہ پڑتی قفس ہی کے بام و در پہ مری
نہ باغ دیکھتا نے سرو نہ سمن اے کاش

یہ آنکھیں دام کی آنکھوں سے آشنا ہوتیں
نہ دیکھتا میں گلستاں کی انجمن اے کاش

نہ ہوتی خو مجھے آرام و عیش سے ہرگز
یہ سہتا پہلے ہی میں رنج اور محن اے کاش

سرودِ خوش سے نہوتا میں آشنا یا رب
فغاں پہ کھلتا مرا پہلے ہی دہن اے کاش

نہ ہوتی مستی میری آہ ایسے جلنے سے
نہ کرتے اُنس بہم میرے جان و تن اے کاش

قفس کے چاک میں نہیں سر نکالنے کی جگہ
تمام ہوتا مرا چاک تن بدن اے کاش

غزل سرائی بلا لائی مجھ پہ اے حسرت
سناتا اپنا کسی کو نہ میں سخن اے کاش

دیکھتے ہی شمع کو جاتا ہی پروانے کا ہوش
آہ پر رہتا ہی کیونکر اسکو جل جانے کا ہوش

مست میں تو ہو گیا تیری نگہ سے ساقیا
اب نہیں مجھ میں رہا ہی اور پیمانے کا ہوش

شہر چھوڑا پر نہیں دل چھوڑتا تیری گلی
دیکھتا ہے اے پری رو اپنے دیوانے کا ہوش

ہو گئی بلبل قفس کو دیکھتے ہی بے حواس
کچھ نہیں اسکو رہا ہی آب اور دانے کا ہوش

نزع میں تجھکو تو میں پہچانتا ہوں پر مجھے
کچھ نہیں باقی رہا ہی اپنے بیگانے کا ہوش

تیری کوچے میں میں جا کر یہاں تلک ہوتا ہوں مست
جو نہیں رہتا مجھے پھر گھر تلک آنے کا ہوش

اُمڈا ہی میرے چشم سے سیلاب کا طوفان
دوزخ میں بھی پڑ کر نہ بجھے ایک تلِ آتش

دِل سے جو اُٹھے شعلہ تو آجان کو گھیرا
افسوس کہ آپہونچی بہت متصلِ آتش

ہر جسم میں انساں کے عناصر ہو برابر
عشّاق کا ہوتا ہے تمام آب و گلِ آتش

تا حشر مرے سامنے پھر سر نہ اوٹھاوے
ازبس مرے نالوں سے ہوئی منفعلِ آتش

ہے رنگ جو زرد آگ کا باعث ہی یہ اِس کا
ہوتی ہی مجھے دیکھ کے ہردم خجلِ آتش

جو اشک نکلتا ہی مری چشم سے حسرت
ق
جوں شمع گداز اوس کا بھی ہی مشتعلِ آتش

پانی میں کہیں آگ بین لگتی نہیں دیکھی
یہ طرفہ کہ پانی میں ہوئی مشتعلِ آتش

مثال غنچہ نہ ہو کیونکہ وہ دہاں خاموش
کہ بیشتر رہے محفل میں نکتہ داں خاموش

اُنھوں کی چشم ہی گویا ہی دِلِ عاشق کے
اگرچہ رہتے ہیں اب مُنہ میں یہ بتاں خاموش

مین دِل ہی دِل میں کروں باتیں اوس کی محفل کی
اگرچہ پاسِ ادب سی ہے یہ زباں خاموش

بنا ہوں بزم میں تیری مین شمعِ تصویر اب
نہیں خموش یہ گریاں ہوں مین میاں خاموش

مثالِ بلبلِ تصویر اِس گلستاں میں
بیان کرتا ہوں گویا کہ داستاں خاموش

مین کہہ لوں سوزِ دل اپنا تو کہیو تو اِی شمع
سخن نہ کہیو سخن کے تو درمیاں خاموش

نسیمِ صبح کو اوس رشکِ چمن نے یہ کہا
سحر جو کھولے زباں گل تو کہہ کہ ہاں خاموش

زبانِ بلبلِ نالاں کو دی ہی نالے کی
پتنگ کو کیا کیوں تو نے آسماں خاموش

جرس کا چاک ہوا سینہ دیکھ ای حسرت

دِل مین خیالِ لب سے ترے جوش یوں اوٹھے
خم میں کرے ہی جیسے مئ خوش گوار جوش

دیکھے ہی تجھکو کھول کے دریا ہزار چشم
یہاں بلبلوں کا اس لیے ہی بے شمار جوش

خونِ جگر پیا ہے کسی کا بجائے مئے
جو چشم کر رہی ہے تری پُرخمار جوش

روتا پھرے ہی ابر بھی دامانِ کوہ میں
دیوانوں کا ترے ہے میاں در کنار جوش

ہر چند آہ و نالہ کو کرتا ہوں ضبط مین
پر دیکھ تجھکو آوے ہے بے اختیار جوش

حسرت مجھے ہے ڈر کہیں آنسو اُبل نجائیں
رکھتا ہوں جی کا جی ہی مین بار بار جوش

کل کب تھے ہم سے خوش جو نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نپایا مزاج خوش

سچ پوچھا ہی تو کہ مین محتاج ہُوں ترا
شب کو لگے ہے صحبتِ بے احتیاج خوش

دل لی کے کرنی اولٹی تعدی بنائے رسم
کس ملک میں کریں گے میاں یہ رواج خوش

بندوں کی پرورش نہیں کرتے تو یہ چلے
بیٹھے کرو تم اپنے میاں گھر میں راج خوش

لے تاج زر کی جہرس گُل سے چمن کا تخت
ای شاہِ حُسن دیکھ کے ہوں تخت و تاج خوش

پر اپنے بے نوا کو دیا کر کبھو وصال
دینا زکوٰۃ خوب ہی لینا خراج خوش

حسرت کو دردِ عشق سے مرنا قبول ہے
لیکن طبیب کا نہیں آتا علاج خوش

جوں نکلے ہی گلخن سے سدا متصل آتش
دل ہی مرا آتشکدہ اور آہ دِل آتش

یوں آگ ہمارے نفسِ سرد سے بجھ جائے
جوں بادِ زمستاں سے ہو مضمحل آتش

قاتل کو میری طفلی میں بازی سی تھا یہ شوق
رغبت دلاتی طبع تو تلوار کی ہوس

ٹھہرے نہ بوالہوس کبھو صدمہ میں عشق کے
ایک ہی ستم میں اڑ گئی اغیار کی ہوس

دی وقتِ نزع شربت دیدار تو نے مجھے
ورنہ رہے گی دِل ہی مین بیمار کی ہوس

حسرت کہاں مین اور یہ رسوائیاں کہاں
کرتی ہے دربدر مجھے دلدار کی ہوس

تری مریض کی اب زندگی کی ٹوٹی آس
کہ کتنے دن سی نہیں اس میں کچھ بھی ہوش و حواس

کِسی طرح نہیں بندھتا ہی دل کی تئیں ڈھارس
میاں خدا نکری جو کسی کو ہووے نراس

کسی سے تیرا پھرے ہے جو دِل تو ملتا ہے
تو اپنے دِل ہی سے میرے دِل کو جان کرلی قیاس

ہمارے قتل کی اے شوخ تجھکو روزی ہو
جو قصد ہے ترے دِل میں خدا وہ لاوے راس

اکیلا جانے کے تئیں کیا ہوا تجھی لیکن
مین کیا کروں کہ میرے دِل میں ہے بہت وسواس

تمام خلق میں پنہاں ہوں لیک ہوں تنہا
کوئی نہین ہے مرے پاس جز نہیں تو پاس

نہ باغ میں لگے حسرت نہ کوہ و صحرا میں
خدا ہی جانے کہ دِل کیوں ہوا ہے اتنا اداس

طوفان کر رہی ہے چمن میں بہار جوش
آتے ہیں میرے دِل میں بھی ساقی ہزار جوش

مانند گل کروں مین گریباں کو چاک چاک
آتا ہی میرے جی میں یہی بار بار جوش

ہمیشہ آن کی برسے گا اِس چمن میں ابر
ہمیں ہے اس مژۂ اشکبار کا افسوس

ہر اک کو دیوی گی برباد اوس گلی میں صبا
ہمیں ہے اپنے یہ مُشتِ غُبار کا افسوس

بسیں گے شہر تو اُجڑا نہ دِل بسی حسرت
بہت ہی ہم کو تو اپنے دیار کا افسوس

نہیں ہُوا میں وفائے حبیب سے مایوس
مری میں بخت بُرے ہُوں نصیب سے مایوس

اُمید تھی کہ کبھی تو ملے گا وصل اوس کا
سو اب ہوا میں جفائے رقیب سے مایوس

مرے گا دِل تری لب سے جواب سُن سُن کر
جئے وہ کیونکہ جو ہووے طبیب سے مایوس

تری گلی کو ہُوں پھر پھر میں دیکھتا جاتا
چلا ہوں ہو کے میں حالت عجیب سے مایوس

امید کیا رکھی میری وہ دل نہ لا مجھ پاس
یہ قاعدہ ہی کہ سب ہوں غریب سے مایوس

جو نیکذات ہوں اغیار تو نہ مجھے سمجھیں
کسی کا دِل نہو ہرگز نجیب سے مایوس

یہی ہی اسکی جو بیتابی تو نہ جیوے گا
میں حسرت اب ہوں دلِ ناشکیب سے مایوس

دِل میں مری نہیں گل و گلزار کی ہوس
اوس سرو قد کی ہے مجھے دیدار کی ہوس

تقصیر وار اپنے کو کر قتل آپ تُو
نکلے ذرا تو تیرے گنہگار کی ہوس

ایمان و دیں یہ رشتہ سی الفت ہی بس مجھے
ہرگز نہیں ہے سُبحہ و زُنّار کی ہوس

نکلے ہوس مری تیرے کوچے میں آن کر
دیر و حرم میں کافر و دیندار کی ہوس

اے دِل تڑپیو خوب طرح وقتِ ذبح تُو
جو نکلے میری اور مری خونخوار کی ہوس

یاں تلک تڑپی مرے جسم میں جان ای حسرت
آپ آزاد ہوا اور دیوے یہ برباد قفس

نہ آگے دِل لگانا مجھ کو تھا راس
الٰہی کیا مرض ہے کون آزار
پیوں خونِ جگر تو ہو گوارا
ستارا ہے نہیں معلوم میرا
گوارا غیر کو کب ہو ستمگر
دعا مانگے ہے تُو مرنے کی میرے

ترے باعث سے اب لاوی خدا راس
نہیں آتی مجھے کوئی دوا راس
نہیں ہے مجھکو کچھ اس کے سوا راس
منجم ٹک تو کہہ میری ہے کیا راس
مجھے آئے تیری جور و جفا راس
خدا لاوے میاں تیری دعا راس

نصیبوں میں ہے اس کے زہر ہجراں
نہ آوے راس اب حسرت کو یار اس

نہیں ہے یار کے قول و قرار کا افسوس
بہت ہے اپنے مجھے انتظار کا افسوس

بہار آوے گی سو بار پھر بھی گلشن میں
گیا جو لالہ چمن سے تو پھر کرے گا بہار
زمانہ یوں نہ رہے گا ہمیشہ تا بہ ابد
کھلیں گے گُل تو بہت پر نہ چھوڑ گی بُلبُل

ہے اپنی عمر کی ہم کو بہار کا افسوس
ہمیں ہے اپنے دِلِ داغدار کا افسوس
ہم اپنا غم کریں کیا روزگار کا افسوس
ہمیں ہی اپنی ہی اس جانِ زار کا افسوس

کل وہ جاتا تھا چلا اس دلِ بیتاب نے آہ
اتنا رسوا کیا مجھکو سرِ بازار کہ بس

شمع کرنا نہ کہیں ذکر کی اس بزم میں رات
اس قدر روئے میرے دیدۂ خونبار کہ بس

ہنستے ہنستے مجھے اُسنے جو اوٹھایا گھر سے
اتنے نالے کئے ہم نے پسِ دیوار کہ بس

شب نظر آیا جو وہ ماہ مجھے اور تونے
اتنے اختر گنے اے دیدۂ بیدار کہ بس

لے گیا جو نہیں قفس اسکا چمن میں صیاد
اتنا بیتاب ہوا مرغِ گرفتار کہ بس

صبح اوٹھ شکوے میرے کرتے تھے ہمسایہ کہ آہ
اس قدر رات کراہا ہے یہ بیمار کہ بس

جان سے چھوٹے تو میں جانوں غنیمت یارو
اس قدر سخت ہوا ہی مجھے آزار کہ بس

رویا کرتا ہوں میں سُن سُن کی صدا ای حسرت
ایسے ہی درد کے تو پڑھتا ہی اشعار کہ بس

باندھ رشتہ سی مجھے پھینک دی صیاد قفس
میری فریاد سے کرنے لگا فریاد قفس

بال و پر جھڑ گئے میرے قفسِ تنگ کے بیچ
ہی اسیروں کے پر و بال کو بیداد قفس

ظلم سی رخنے قفس کے کئی بند اے صیاد
کیوں نہ اک تیغ و سناں سی کیا ایجاد قفس

دلِ بیتاب کی خاطر یہ ملا سینۂ تنگ
کیا کہیں ہم کو تو ہے آہ خداداد قفس

اپنی خاطر نہیں منظور رہائی ہم کو
ہم ہوں آزاد تو ہو رنج سی آزاد قفس

نہ رہی مدِّ نظر باغ کے ویرانے پر
ہم کو لا کر کیا صیاد دلنے آزاد قفس

روئے گُل دور ہی سی دیکھ لیں ہم ای صیاد
ٹک تو لیجا کے تو لٹکا سرِ شمشاد قفس

بس کہ تھا اُنس بہم بعد رہائی صیاد
ہم قفس یاد کریں ہم کو کرے یاد قفس

بیٹھے کیونکر کوئی غمخوار دلِ زار کے پاس
تلخ ہو زیست رہے جو کوئی بیمار کے پاس

نالہ و سوزِ دل و داغِ جگر رکھتا ہوں
کون سی جنس کو لیجاؤں خریدار کے پاس

قتل کو غیر کے شمشیر لیے پھرتے ہو
کیوں نہیں آتے میاں اپنے گنہگار کے پاس

ای فلک ہم کو ہی بیدل تجھے کرنا تھا ضرور
ورنہ ہی دل تو ہر ایک فرد دیندار کے پاس

کیا ستم ہے نہ دلا یادِ چمن اے صیاد
گُل کو لیجاوے ہی کیوں مرغِ گرفتار کے پاس

حسبِ دلخواہ ترے جی کا نکلجائے غبار
بیٹھ کر روؤں اگر میں تری دیوار کے پاس

تیری ہمسایہ ہوں دیدار سی لیکن محروم
جیسے دی پر رہے بلبل کوئی گلزار کے پاس

قیس و فرہاد ہوں یا وامق و محمود جہاں
گاڑ تو مجھکو بھی ان ہی سی کسو یار کے پاس

حق نہ تنہائی کی دشمن کو مصیبت دیوے
گور بھی اپنی بنے آہ تو دو چار کے پاس

ق

حسرت اب مفت ہیں ہم آہ موئے جاتے ہیں
کوئی جاتا نہیں اوس شوخِ ستمگار کے پاس

جو کہے جاکے ذرا آہ مصیبت اُس سے
کہ جفا کار تو کیوں بیٹھی ہے اغیار کے پاس

تنگ آتا نہیں رکھتا ہی جو صحبت داری
رات دن جاکی تو ہر ایک بد اطوار کے پاس

گھر میں ایسا ہی ترا جی جو نہیں لگتا ہے
بیٹھ جا کر کوئی دم اپنے گرفتار کے پاس

اتنا بیتابی سے تڑپا یہ دلِ زار کہ بس
زلزلہ جان کے بولے در و دیوار کہ بس

اوسکے دیدار کی آنکھوں کو تمنا ہی مدام
ایسا ہی آیا نظر جلوۂ دیدار کہ بس

شعلہ افروز تجلّی نے کیا اپنا جہاں
طور کیا کہنے لگے اور بھی کہسار کہ بس

اگر کبھی مری سُن لیوے دادرس آواز

تو وعدہ آنے کا کرتا ہے اے صنم ہر روز — اور آہ کرتے ہیں باور وہ وعدہ ہم ہر روز
ہم ایک روز بچھاتی ہیں دام تیرے لئے — اور آہ ہم سے تو جاتا ہی کر کے رم ہر روز
ہر ایک روز نیا ہم سے ہے بہانہ ترا — اور آہ ہم سو بھُلاتی ہیں اُس سی غم ہر روز
ہر ایک روز تو جاتا ہی ہمکو دے کے دغا — اور آہ مانتے ہیں ہم تیری قسم ہر روز
ہر ایک روز قیامت کا ہم کو گذرے ہے — اور آہ رہتے ہیں باتوں سی تیری تھم ہر روز

جو ابکے آیا تو حسرت نہ چھوڑی گا تجھکو
کہ آہ اس کو تو جاتا ہی دے کر دم ہر روز

سجھا نہ عشق کی ناصح تو اب نشیب و فراز — کہ عاشقوں کو نظر آوے کب نشیب و فراز
لگا ہی جب سے کہ دل کچھ نظر نہیں آتا — نہیں تو سوجھتی تھا مجھکو بھی سب نشیب و فراز
کسی کو کاہے کو دل اپنا دیتا مین کہہ تو — سُجھاتا پہلے ہی مجھکو تو جب نشیب و فراز
جب اختیار گیا ہاتھ سے تو اے مشفق — جتاتا کام نہ کچھ آوی اب نشیب و فراز
گہے زمیں پہ ہوں گہہ آسمان ہفتم پر — دکھائی عشق نے مجھکو غضب نشیب و فراز
اگرچہ مجھکو بھی اس راہ عشقبازی میں — ق — نظر پڑیں ہیں ہر ایکدم عجب نشیب و فراز
ولی نہ چھوڑے ہی یہ اس آستاں پہ پہنچ — غرضکہ عشق میں ہیں گڈھب نشیب و فراز

پر اب تو جا پھنسا حسرت کا اوس گلی میں دل
تمام سہتا ہی یہ اس سبب نشیب و فراز

ازبس قبولِ طبع کا تیری یہ ناز ہے
پاتا ہی سب جہان میں اب امتیاز ناز

گر شمع تیرے سامنے نازاں ہو حُسن پر
سرتاقدم دُوہیں کرے اوسکو گداز ناز

ور گُل زباں کہ ناز سے کھولے تیری حضور
انداز دیکھ اوس سے کرے احتراز ناز

لیلی کو اور شیریں کو کہتا ہی تو کہ اب
میری کنیز ہو تو ہے اوسپر جواز ناز

جانے ہی ایک ایاز کی تیئں ایک غلام ہے
کب کر سکے ہی سامنے تیرے ایاز ناز

تیرا یہ ناز ہے دمِ عیسیٰ حقیقتاً
کہتی ہے خلق اس کو زراہِ مجاز ناز

حسرت کو اپنے ناز سے محروم تُو نہ رکھ
کرتا ہی تیرے ناز پہ یہ عشقباز ناز

نکالی تو نے مِرے ساتھ ہمنفس آواز
یہ دو ہی باتوں میں ہوئی بند تیری لبِ آواز

فغان و آہ مِری سرمہ ہو گلو میں ترے
جو میرے ساتھ ملاوے تو اے جرس آواز

خدا کے واسطے مرغِ اسیر نالہ نہ کر
کہ چاک چاک ہوا اُس کی یہ قفس آواز

اثر کہاں سے یہ لاوے گا میرے نالہ کا
اگرچہ اپنی بتاتا ہے بُوالہوس آواز

بسانِ نے ہی زبس رخنہ رخنہ میرا گلو
کروں نہ بند تو پیدا ہوں پانچ دس آواز

جگاتا رہتا ہے نالہ یہ بخت کو میرے
کہ سونے والوں کو دے جس طرح جرس آواز

ہوس ہی اسکے تیئں ایک نالہ کی صیّاد
نکال لینے دے بُلبُل کو ایک نفس آواز

جو مُنہ سے منع وہ کر دیوی نالہ کرنے کو
نکالوں اپنی زباں سے نہ سو برس آواز

یقیں ہی پہونچوں وہیں داد کو میں ای حسرت

ابر مت لاف زنی کر تیری ہم چشمی کو
ایک دو قطرہ تو ہیں دیدۂ گریاں میں ہنوز

زلفِ شبگیر کے ماری جو اوٹھیں حشر میں بھی
تو کہیں ہم ہیں اُسی خوابِ پریشاں میں ہنوز

قتل کا تو نے جو حسرت کے کیا ہی ساماں
کچھ رہا ہی مگر اوس بے سر و ساماں میں ہنوز

شبِ فراق میں اب کون ہی یہاں دلسوز
مگر ہے آہ میرا نالہ و فغاں دلسوز

جگر کے داغ سی اوس دِل کا درد مٹتا ہی
دیا ہی تم نے ہمیں روز ہوشاں دلسوز

پتنگ شکوہ نکر شمع کے جلانے سے
کسی کو ملتی بھی ہیں کہہ تو اے میاں دلسوز

قرار و صبر جو غمخوار دِل کے تھے سو گئے
رہی ہی سینہ میں اِک آہِ ناتواں دلسوز

ستم ہی یوں جو اونہیں خاک میں ملاوی تو
یہ اشک تھے مرے اے چشمِ خونفشاں دلسوز

الٰہی آگ لگے عشق اور محبت کو
عجب طرح کی یہ الفت ہی اے بتاں دلسوز

جو کچھ کہوں میں تیری غم کو اے میاں سو بجا
رفیق و مونسِ جاں یارِ مہرباں دلسوز

کِسی کا دِل جلے مرنے پہ میرے یارو ڈے
سوا اِس جہان میں رکھتا ہوں مین کہاں دلسوز

برنگِ شمع مگر مین فنا پر اپنی اب
رکھوں ہوں اشک فشاں چشم اور زباں دلسوز

فسانہ عشق کا میری ذرا تو سُن حسرت
سُنی نہوگی کبھی ایسی داستاں دلسوز

کرتا ہی جا کری تری ای سحر ساز ناز
تو ناز خوش کرے تو رہے سرفراز ناز

جس جا پہ ناز سے تو رکھے اپنے گام کو
پیدا ہوا اوس زمین سے تا حشر ناز ناز

صیدِ ضعیف جان کر دل کو نہ چھوڑ دیجیو
مرغِ شکستہ بال میں تیز پری ہی تا ہنوز

تیری قبول طرح کا گر نہیں ہیں تو کچھ نہیں
لاکھوں ہنر ہیں مجھ میں پر بے ہنری ہی تا ہنوز

وہ میری گھر سی آشنا اوسکے ہیں گھر سی آشنا
پر وہ ہی دیکھنا سدا رہ گذری ہی تا ہنوز

نکلے ہیں سوزِ عشق کی ہر بُنِ مُو سے شعلے پر
نالہ گرم میں میرے بے اثری ہی تا ہنوز

میکدے میں نگاہ نے تیری عجب فسوں کیا
شیشوں میں مے کے ہر طرف رقص پری ہے تا ہنوز

پردے میں تھی عنب کے یہ جب سے تب ہی سے ساقیا
دخترِ رز پہ شیخ کی بدنظری ہے تا ہنوز

سروِ نمط نہ سرکشی عاشقِ بے نوا سے کر
قمری کی آہ سے اُسے بے ثمری ہی تا ہنوز

حسرت اُسے چمن کے بیچ دیکھا تھا ایک دن کبھی
بُلبُل و فاختہ کو آہ نوحہ گری ہے تا ہنوز

بوئے یوسف مگر آئی نہیں کنعاں میں ہنوز
کہ صبا ڈھونڈ رہی ہے اوسے گلستاں میں ہنوز

نہ ملا ناقۂ لیلیٰ کا نشاں پر نہ ملا
خاکِ مجنوں کی بھٹکتی ہی بیاباں میں ہنوز

ماندگی کرنے لگا دستِ جنوں چاک سے اور
باقی ہیں تار کئی میری گریباں میں ہنوز

ہو گیا باغ تو تاراج پر اے گلچیں آہ
جائے خالی ہی تری گوشۂ زنداں میں ہنوز

جنکی قسمت میں رہائی تھی چمن جا دیکھا
فصلِ گل بھی چلی ہم تو رہے زنداں میں ہنوز

سیکڑوں بار کیا تو نے خراب اس دل کو
پر محبت ہی تری اس دلِ ویراں میں ہنوز

سوویں آرام سے کس طور کوئی زیرِ زمیں
فتنۂ عشق تو بیدار ہے دوراں میں ہنوز

قتل کر خاک میں لاکھوں کو ملایا تو نے
آبداری ہی ترے خنجرِ مژگاں میں ہنوز

مر ہی جاوے گا پھر دیکھے گا گر تیری نگاہ
رکھ تو حسرت پہ کرم ہی وہ مدارات نہ چھوڑ

ہی تیرے غمزدوں کی چمن میں بھی گِل ہنوز — نکلے ہی غنچہ خاک سے جو تنگدل ہنوز
محشر تو آئی اور قیامت کوئی بنا — گرکچھ پہ شکست عہد ہی پیماں گسل ہنوز
ایک دِل تھا سو تو کب کا ہوا غارتِ نگاہ — کیا سادہ دِل ہی ڈہونڈھے ہی مجھ پاس دِل ہنوز
نِت شمع سر دُھنے ہی جلا کر پتنگ کو — تو قتل کر مجھے نہ ہوا منفعِل ہنوز
مین اپنی اشکِ سرخ سی اتنا ہوں سُرخرو — اے کارِ عشق تجھ سی نہیں ہوں خجل ہنوز
رہتا ہی حسن و عشق میں دِن رات مجھلہ — آنے دے خط کو یار کسی سے نہ مِل ہنوز
قدرت خدا کی دیکھ کی ایمان لائیں سب — واقف نہیں ہیں اوس سی بتانِ چگل ہنوز
ظالم تُو پہلے جرم تو اثبات کر مِرا — تجھ پر مِرا یہ خون نہیں ہی بحِل ہنوز
کہتا نہ تھا میں اشک خبر لے جگر کی جلد — پہونچی نہیں ہی آتشِ غم متصِل ہنوز
اب ایسی بھڑکی آگ کہ برسوں ہوئی تجھے — چھڑکے ہی پانی تو پہ یہ ہے مشتعِل ہنوز

حسرت کی خاک کو بھی جُدا چرخ نے رکھا
اوس در کی خاک سے یہ نہیں مشتمِل ہنوز

روزِ ازل سی حسن کی جلوہ گری ہی تاہنوز — ہم بھی تب ہی سی محو ہیں بیخبری ہی تاہنوز
ہم سفری کا عہد تھا نالی سے تجھکو جان رات — سو تو وہ کوچ کر گیا تو سفری ہے تاہنوز
کتنے ہی دِن گذر گئی ٹکڑے ہو بہہ گیا جگر — رنگ سرشک ہی ستم کیوں جگری ہی تاہنوز

آتشِ بے دود نے یاقوت احمر سے بھرا
ابر کو دامن کی تئیں گوہر کے قابل دیکھ کر

شیر کا بیشہ یہ ہی اے آہوانِ شیر گیر
صید فربہ جان کشتِ سیر حاصل دیکھ کر

گنبدِ مینا سے ٹیکا چاہتا ہے آفتاب
بدر کی خورشید کے پنجے میں منزل دیکھ کر

کاہ آتش دیدہ میری ابلقوں کی ہاتھ سے
برق یاں گذری مگر شعلے کا مائل دیکھ کر

یا حول مردم کو ہی یا نقش ہی مردم فریب
سب ہیں حیراں ایک لیلی در دو محمل دیکھ کر

چاہتا ہی عکس اسکا شخص کھینچے درمیاں
آئینہ کا آئینہ مقصد میں حائل دیکھ کر

ہیں شفق میں غرق بیچا ماہ تو دو چار پانچ
ایک کم دو لام کی زلفوں کی کامل دیکھ کر

میری اسکندر کی خواہش سی اوڑا ہی بازِ فکر
باز آوی ورنہ کب آوے گا ساحل دیکھ کر

آہن و خارا میں رہتی ہے بہم یہ گفتگو
پھیر لینا منہ بھلا شیریں شمائل دیکھ کر

مست دیں مستور کو مسجد میں سجدی کا سبق
ہو رہا حیران میں حسرت یہ محفل دیکھ کر

جو تم چاہے سو کرو ہم سی ملاقات نہ چھوڑ
روز اول کی جو ہی بات سو وہ بات نہ چھوڑ

دِن میں دو چار گھڑی کافی ہی ہم پاس بھی تو آ
ہوں میں قربان ترے اتنی تو اوقات نہ چھوڑ

غیر کی باتیں جو آ پیارسی یاں کہتا ہے
وو ہی رکھ چہل میاں اونکی حکایات نہ چھوڑ

وہ جو معمول کی ہی رات یہاں رہنے کی
بندہ خانہ ہی میں اب کاٹ تو وہ رات نہ چھوڑ

اون کا کیا جاوے گا جو کرتی ہیں تجھکو بدراہ
دیکھ خواہی مری جان تو یہ بات نہ چھوڑ

جس طرح تجھکو سادات تھا یاں کا آنا
اب نکر شان تو مجھ سے وہ حکایات نہ چھوڑ

کیا سماں تھا رات یار و پی کی آپس میں شراب
تھا اُودھر بیباک یار اور میں اِدھر بیباک تر

تو نہ نکلا گھر سے ہم شب تا سحر روتے رہے
یہاں تلک روئے کہ ہو گئی سب خس و خاشاک تر

ای گلو سینے کو اپنے چاک تم کہتے تو ہو
دیکھ لو حسرت کے سینہ سے نہو گا چاک تر

نہیں بیباک دل کو رحم میری مرنے جینے پر
مروں جب میں تو رکھنا ایک پتھر میرے سینے پر

ہوا تو خاکِ پا بس ہی تجھے میرے غبار اتنا
نہ لگ دامن سی اوسکے رہ ذرا اپنی قرینے پر

ڈوبائے مردمِ چشم آہ بحرِ اشکِ گلگوں نے
مدد کر نوح دل یاں بھر گیا طوفاں سفینے پر

سرِ گردن خدا حافظ تمھارا ہی کلاب و سنے
لیا ہی ہاتھ میں خنجر کمر باندھی ہی کینے پر

زباں کو طعن پر اس چرخ کی ہرگز نہ کھولیں ہم
کوئی شمشیر کھینچے کس طرح سفلے کمینے پر

گلا یا عشق نے میرے ہی دل کو شوخ سنگیں دل
اثر کرتی ہے جلد ہی آگ نازک آبگینے پر

تجھے کچھ درد بھی آتا ہی میرے قتل کرنے سے
فدا کرتا ہوں اپنا خون میں تیرے پسینے پر

مجھے کیونکر نہ رشک آوی کہ تو نے منہ لگایا جب
گرہ تھا گریہ شیشی کے گلو میں جام پینے پر

مری لختِ جگر کی لعل سی افزود قیمت ہے
کہ نقشِ اسمِ اعظم ہی کسی کا اس نگینے پر

کہو بیمار دار و تنگ ہی احوال کیا میرا
جو کوئی سر بزانو ہی کسی کا ہاتھ سینے پر

تری تو شعر جتنے ہیں سبھی ہیں منتخب حسرت
غزل تیری نہ لکھے کون سی دل کی سفینے پر

پلنبہ چرخ اور زمیں کی اختراب دِل دیکھ کر
عقل سے کہتا ہی لا میرے مقابل دیکھ کر

کام ہم کو جو اوس نے فرمایا　　آہ سو امتحان سے باہر
دیر و مسجد میں ڈھونڈھتے ہیں جسے　　ہے وہ کون و مکان سے باہر
ہے زمیں آسماں میں لیکن　　ہے زمین آسمان سے باہر
کیونکہ سمجھیں اوسے کہ ہے وہ تو　　سب کے وہم و گمان سے باہر
سب جہاں ہے اُسی کا اک پرتو　　پر وہ ہے کُل جہان سے باہر
اوس کی سب ہیں نشانیاں لیکن　　ہے وہ نام و نشان سے باہر
دل میں رہنے دے اپنے اے حسرت　　ق　　مت نکال اب زبان سے باہر

چھوٹا مُنہ تیرا اور بڑی باتیں
بات مت کہہ دہان سے باہر

جوں برق کہ چمکے تری شمشیر ہوا پر　　سب مرغِ ہوا جی سے ہوئے سیر ہوا پر
پرواز میں آیا ہی کبوتر میرے دل کا　　بازِ نگہِ یار تو جا گھیر ہوا پر
اس تیر کا ہے عزم مگر صیدِ ملائک　　جو پھر نہ پھرا اتنی لگی دیر ہوا پر
توسن کا ترے گام زمیں پر نہیں لگتا　　دو چار قدم اس کے تئیں پھیر ہوا پر

حسرت رہے ہم بختِ سیہ بعد فنا بھی
جا خاک نے میری کیا اندھیر ہوا پر

نت مری خوں ہی سے ہے اوس گلی کی خاک تر　　اور ہیں غمناک عاشق پر میں ہوں غمناک تر
تو تو اے پروانہ جانسوزی میں ہے چالاک تر　　یہ دلِ سوزاں مرا تجھ سے بھی ہے چالاک تر

مجھ سے دنیا میں ٹک ای حورِ بہشتی مل جا — آخرت میں تو ملاقات نہوگی آخر

ابر ساں روتے مجھے بارہ[12] مہینے گذرے — کیا برس میں بھی یہ برسات نہوگی آخر

سلسلہ چھیڑ یو مت طول ہی افسانۂ زلف — رات آخر ہو پہ یہ بات نہوگی آخر

فیض جاری ہی سدا پیرِ مغاں کی در سے — تا قیامت یہ کرامات نہوگی آخر

گالی مت دے مجھے گو جوہرِ ذاتی ہی ترا — کچھ تری اس میں بڑی بات نہوگی آخر

محتسب بادہ کشوں سے تو بدی کرتا ہی — عملِ بد کی مکافات نہوگی آخر

خضر ہمراہ ہو تب چشمۂ حیواں دیکھوں — میرے بختوں رہِ ظلمات نہوگی آخر

کلکِ تقدیر نے حسرت یہ لکھا روزِ ازل — تا ابد بزمِ خرابات نہوگی آخر

جو حُسن پر ہے تو اے شوخِ تند خو مغرور — تو عشق مجھکو کہے ہے کہ تو بھی ہو مغرور

اب ایک اِن سے کری ساز تو مجھے اُلفت — وگرنہ جمع نہوں ایک جا پہ دو مغرور

مین اپنی آہ کو سمجھوں ہوں سکتی ہی تاثیر — اور اپنے حُسن کی جذبے پہ نت ہی وہ مغرور

خدا ہی جانے کہ کل کس کو ہووے بیتابی — ہر ایک اپنی کشش پر ہے آج تو مغرور

اودھر وہ جانی کہ ہے عشق حسن کا محتاج — کیا ہی گرمی نے ایدھر سے عشق کو مغرور

مین جانتا ہوں جو گھبرا گیا سو عاجز ہو — جو بیٹھا ناز سے اپنے کہا یا سو مغرور

رہی ہی شرط بہم حُسن و عشق میں حسرت
نہووی لغزش پا اوسکو ہووے جو مغرور

عشق ہے داستان سے باہر — ہے یہ قصّہ بیان سے باہر

ہر دم مجھے تجھ کو یاد کر کر
رو دینا اِک آہِ سرد بھر کر

کب تک یہ تغافل ای ستم کار
آحال پہ میرے ٹک نظر کر

اتنا بھی ستم بتِ جفا کار
کافر تو خدا کا ٹک تو ڈر کر

کرتا ہے تو جور دِل جلوں پر
پر آہ سے اِنکی ٹک حذر کر

ہیں ہم تو بھلا جفا کے قابل
ٹک اپنی طرف تو تو نظر کر

جیتا نہ اوٹھوں گا در سی تیرے
ایسا بھی ہوا اگر تو مر کر

شبنم کی صفت گئے چمن سے
حسرت آنکھوں میں اشک بھر کر

نہ سمجھو شعر پڑھتا ہوں میں کچھ تسکین کی خاطر
کہی ہیں مرثیے میں اس دلِ غمگین کی خاطر

کسی کو چرخ گر خوشدل کری تو بھی شرارت ہے
کھلاتا ہی یہ ظالم گل کی تئیں گل چین کی خاطر

نہ لایا تاب زاہد خوبرویوں ای تجلّی کی
لگا کہنے کیا ترکِ بتاں میں دین کی خاطر

میرے داغوں سی دِل کی میرے گھر میں شب چراغاں ہے
نہ لانا شمع کافوری میرے بالین کی خاطر

نہ سمجھو شیخ جی دِل میں کہ مجھ میں کچھ کرامت ہے
ادب کرتے ہیں ہم اِس خرقہ رنگین کی خاطر

قفس میں مرتے مرتے یہ وصیّت کہہ موئی بلبل
کہ گل پر فاتحہ دو بلبلِ مسکین کی خاطر

خوشامد کرتی ہیں حسرت فقیر اب اہلِ دنیا کی
ظروفِ نقرئی اور مسندِ زرّین کی خاطر

شبِ ہجراں کبھی ہیہات نہ ہوگی آخر
عمر آخر ہو پہ یہ رات نہ ہوگی آخر

نہیں دِل لیتا جا تو حسرت کا | جانیو اِس کو آشنائے سفر

راہ میں تیرے کام آوے گا
ہے یہ اِک مشغلہ برائے سفر

مت سُنا مجھکو ستمگر اپنے جانے کی خبر | مرہی جاؤں گا نہیں ہے یہ سُنانے کی خبر
کچھ قفس میں بال و پر کا میرے پوچھو تم بیاں | کب رہی ہے مجھکو اپنے آشیانے کی خبر
یہ دِل وحشی ہوا زنجیر کس کی زُلف میں | کوئی لا دیتا نہیں ٹک اس دِوانے کی خبر
جب سے دیکھی چشم ساقی تب سے میں سرشار ہوں | آہ کچھ مجھکو نہیں اپنے بگانے کی خبر
آپ بیتی مجھ سے پوچھو قیس کا کیا ذکر ہے | قصہ خوانوں کو تئیں ہوگی فسانے کی خبر

دین و دِل غارت ہوا اُجڑا نظر آتا ہے مُلک
مجھ سے حسرت پوچھتا کیا ہے زمانے کی خبر

رہتا تھا دِل پہ داغ گہے گاہ بر جگر | ایسے لٹے کہ اب نہیں کچھ آہ بر جگر
کیونکر بچے یہ جان جو آتش فشاں کرے | مانندِ برق نالۂ جاں کاہ بر جگر
غارت پہ دِل کی روتے تھے ہم کیا کہ جا پڑا | ہنگامہ غم کی فوج کا ناگاہ بر جگر
پھل ہی نہالِ عشق کا جلنا سو جل چکا | خواہ اب دل اس کو سمجھے تُم خواہ بر جگر
پُر خونِ دل ہے دیدۂ خورشید ہر سحر | ہر شب رکھے ہے داغ ترا ماہ بر جگر

حسرت کے دِل کی دزدی کا انکار تو نکر
قسمیہ اُس کا ہاتھ ہے واللہ بر جگر

مجھکو بیچیگا تو رکھیو تو خریدار سے دور

دشمنِ عاشق ہے اے ماہ انتظار
انتظار آہ انتظار آہ انتظار

دونوں نام اوسکے ہیں عاشق کے لئے
خواہ مرگ اُس کو کہو خواہ انتظار

جان لینے کو میری جائے اجل
گہہ فراق آتا ہے اور گاہ انتظار

یا مجھی کو آہ دنیا سے اوٹھا
یا اوٹھاوے یاں سے اللہ انتظار

عرصہ سو محشر کا مجھ پر ہو چکا
کیا دکھاوے اب تری راہ انتظار

حالِ چشمِ منتظر مجھ سے نہ پوچھ
پوچھ لے ہے اسکا آگاہ انتظار

اب تو نہ جینے دے نہ مرنے ہی دے
مجھ کو حسرت قصہ کوتاہ انتظار

مت سنا مجھکو تو صدائے سفر
مرہی جاؤں گا کہہ کے ہائے سفر

جو ستم چاہے سو تو کر مجھ پر
ہائے اے بیوفا سوائے سفر

میری ہی جاں سفر کرے تن سے
حق نہ تیرا مجھے دکھائے سفر

تن سے میرے سفر کرے گی جان
ہو نہ تیار تو برائے سفر

تجھکو عزمِ سفر ہے اور مجھ پر
ابھی برپا نہ کر لوائے سفر

اور جو جاتا ہے مجھکو کر لے قتل
مین نہ دیکھوں گا یہ جفائے سفر

قتل کرتا نہیں تو آ ایدھر
تجھ پہ پڑھ دوں ذرا دعائے سفر

تجھ سے آگے سفر کروں تو بھلا
بلکہ ہوں مین ہی پیشوائے سفر

رکھے اس زمانے میں حق آبرو
کہ حسرت نظر آوے نہ ہے دور اور

جہاں میں ہیں معشوق بہتر سے بہتر
نہیں ہے کوئی میرے دلبر سے بہتر

نہیں قیمتِ اشک اِلّا جگر ہے
نہووے گہر میرے گوہر سے بہتر

جو ہو تشنۂ وصل اور وہ نہ پاوے
اُسے کچھ نہیں آبِ خنجر سے بہتر

نہ الفت ہو جس دِل میں اِن مہ وشوں کی
نہیں داغ کو اسکے اخگر سے بہتر

ملے خاک تیری گلی کی جو سر کو
تو ہے بادشاہی کے افسر سے بہتر

تیرے ہاتھ سے گر ملے جامِ غم بھی
تو وہ جام ہے جامِ کوثر سے بہتر

جو ڈھل جاوے خوبی سے اک شعر حسرت
تو وہ شعر ہے لاکھ دفتر سے بہتر

خواب ہی آہ میرے دیدۂ بیدار سے دُور
جاگنا چاہیے کہ ہی بختِ سیہ کار سے دُور

چین لیوے دلِ نالاں یہ توقع نہ رکھو
دوستو راحت و آرام ہی بیمار سے دُور

میری بیتابی کے جانے کا نکر فکر ابھی
نہ تڑپنا تو ہے اس تازہ گرفتار سے دُور

دور ہووے میرا آزار یہ ممکن ہی نہیں
کیونکہ رہتی ہی شفا اس مری آزار سے دُور

کیونکہ نزدیک مرے پرسشِ احوال کو آئے
رسم ہی بھاگتی ہے خلق گنہگار سے دُور

چشم سے میری تو اس دل کو نہ سوجھا کچھ بھی
کام کرتی ہے نظر رخنۂ دیوار سے دُور

خار ہوں خشک مین حسرت یہ بہت دامنگیر

جان و دل دونوں ہیں اُس زلف میں محبوس اسیر
زندگی سی ہوں ہین اسواسطے مایوس اسیر

دودِ پیچیدہ تنک اسکا ہی زنجیر کی طرح
نکلا وے تو کرے شعلۂ فانوس اسیر

دیتی ہین دل کو مری داغِ قفس ہیں بھی بہار
کوئی جوں باغ کا لالہ کرے طاؤس اسیر

ڈھونڈھے ہی دل کو نگہ اسکی پئے زلف فقط
اسکو لیجا کے یہ کردیوی ہے جاسوس اسیر

مغتنم جان اسیری کا تو رتبہ کہ بھلا
تیرا زنجیر تو آکرتی ہے پابوس اسیر

مت رہا کر تو مجھے بہرِ خدا اے صیّاد
ہوگیا اب تو اسیروں سی یہ پابوس اسیر

مانا کہنا نہ میرا ہوگیا آخر حسرت
آہ افسوس صد افسوس اسیر

ہماری قتل کی ای شوخ تو ہی کر تدبیر
مری موافق تقدیر ہو اگر تدبیر

کسی کو آئے نہ تدبیر راست کیا ہی عجب
یہاں تو ایسی ہی ہوتی ہے بیشتر تدبیر

دُعا سے جاوی نہ یہ درد نہ دوا ہی سے
کسی کی کچھ نہیں کرتی ہی اب اثر تدبیر

یہ مصلحت ہی تمھاری کہ اسکو لیجاویں
غلط تمھاری ہی اے یارو سر بسر تدبیر

وہ شوخ تنگ سی حسرت کی ہی بہت بیزار
جو غصّہ ہو تو نہ آوی گی کچھ نظر تدبیر

نظر آتے ہیں تیرے کچھ طور اور
تِری بزم میں لوگ ہیں اور اور

مجھے بد وہ کہتا تھا پوچھا جو مین
لگا کہنے بس وہ ہیں فی الفور اور

رقیبوں سے مت مِل ندیکھوں یہ ظلم
تو سُن شوخ سے نے چھوڑ دی غور اور

چاکِ دل زخمِ جگر کو دیکھ اور سینے کے داغ — گو تو کرتا ہے میاں سیرِ گلستاں بیشتر

ناصحا مت منع کر تو عشقبازی سے مجھے — منع کرنے سے کرے ہے کام انساں بیشتر

آہ و زاری سے مجھے کرتا ہے جوں جوں منع تو — دِل سے نکلے ہے مرے فریاد و افغاں بیشتر

جُوں جوں ہمدم پونچھتا ہے اشک میری چشم سے — توں توں امڈتی ہیں میری چشمِ گریاں بیشتر

غم کی جوں جوں ہو تپش ٹپکے مری آنکھوں سے خوں — قاعدہ ہے برسے ہے گرما کی باراں بیشتر

رفتہ رفتہ دِل کا مالک ہو گیا حسرتؔ یہ غم
پاؤں پھیلائے بہت دل پا کے یہاں بیشتر

سب سے وفا کا قول ہے ہم سے ستم قرار — کیا اُن میں لطف ہے جو رکھا ہم کو کم قرار

ہر دم بہانا کرتا ہے آنے کا تو یہاں — اور آہ مجھکو سو نہیں اب ایک دم قرار

یا تو نہ وعدہ کرتا کہ تجھ پاس آؤں گا — اب آ کہیں جو تو نے کیا ہے صنم قرار

عہدِ وفا پہ اپنے نہیں برقرار تو — سب تجھکو بھولا اپنا وہ قول و قسم قرار

تیرے قرار پر یہ ہوا بے قرار دِل — تو ہی بتا کہ کیونکہ کریں آہ ہم قرار

جور و جفا تو کرنے لگا لے کے دِل میرا — پہلے کیا تھا تو نے تو لطف و کرم قرار

اپنے تو گھر میں عیش تو کرتا ہے چین سے — اور یاں مجھے تو دیتا نہیں درد و غم قرار

اِک بار یاں سے جاتا ہے کیا سب گیا تو بھول — کیا کیا تھے یاد کر تو پیارے بہم قرار

اب ایک پاؤں گھر میں ہے حسرتؔ کا در پہ ایک
کرتا نہیں ہے وعدہ پہ اوسکا قدم قرار

کیا تھا مجنوں کی پین بعد اوسکا گھر آباد
سو میری مرنے سی حسرت خراب ہی زنجیر

جون گُل کی چاکِ جیب سی دیوے چمن بہار
رکھتا ہی دشت میں مرا دیوانہ پن بہار

ہر کوہ پر جو لالۂ خود رو ہے اس قدر
تیرے ہی خوں سی ہے مگر ای کوہ کن بہار

مجنوں تری ہی پاؤں کی ٹوٹے ہیں آبلے
ہر نوکِ خار سُرخ ہی دیتا ہے بن بہار

جب تک کہ اوسکا عارض و قد جلوہ گر نہو
کب دیویں اہلِ دید کو سرو و سمن بہار

ای غنچہ اپنی مُنہ سے تو کہہ تجھ میں لطف ہی
رکھتا ہی میرے یار کا جیسا دہن بہار

فانوس میں ہی شمع کہاں ایسی خوشنما
جو پیرہن میں دیتا ہی اوسکا بدن بہار

گُل کی قبا میں رنگِ نزاکت کہاں ہی یہ
رنگیں یہ جیسا دیوے ترا پیرہن بہار

ساقی و شمع و جام بلوریں و ماہ ہے
پر تجھ بغیر رکھتی نہیں انجمن بہار

ٹک سینہ اپنا کھول کہ بھولے یہ اپنا حُسن
دکھلا دی چاندنی کو تو ای سیم تن بہار

گو گُل بھی غرقِ خوں ہی پر ایسا نہ دیوے لُطف
جیسا ترے شہید کا دیوے کفن بہار

حسرت بہارِ شامِ غریباں سے دیکھ تو
ہر چند تجھکو دیوے ہے صُبحِ وطن بہار

گرچہ ہی ابرو تو قاتل پر ہیں مژگاں بیشتر
تیغ سی کرتا ہی تو ڑا اے شوخ پیکاں بیشتر

لوٹوں ساری دشت میں شاید تسلّی ہو مری
آبلے پاؤں کے کم خارِ بیاباں بیشتر

نزع سی مجھکو چھُٹا اب گو تو آتا تھا سدا
ہووی گا اسوقت تیرا مجھپہ احساں بیشتر

اتنی محنت سے یہ حسرت تجھے کاغذ بھیجے
حیف ہے سمجھے اگر تو سبھی یکساں کاغذ

افسوس میری زیست تو ہے دل کے اختیار
اور دل کی مرگ و زیست ہے قاتل کے اختیار

محشر تلک یہ رقص کناں جائے خوبرو
چھوڑیں اگر تڑپنے کو بسمل کے اختیار

لیجائے چاہے شہر کو اور چاہے دشت کو
لیلی یہ مجنوں ہے ترے محمل کے اختیار

یہ دل نہ میری بات کو سمجھے کسی طرح
یارب نہو کوئی کسی جاہل کے اختیار

آنکھوں سے اشک کوچ کریں خواہ تھم رہیں
کب کارواں ہو سکے منزل کے اختیار

تدبیر سے یہ اپنی جہاں کا محیط ہو
تقدیر بھی ذرا ہو جو عاقل کے اختیار

وسعت کو حق کی عقل ہماری نہو محیط
دریا نہ ہو سکے کبھی ساحل کے اختیار

حسرت تو اپنے نقص سے وامانده ہے یہاں
دے اپنے اختیار کو کامل کے اختیار

تنک مزاج کی تپش اضطراب ہے زنجیر
کہ ہر حباب کو نت موج آب ہے زنجیر

زبسکہ مجھکو دوانہ سمجھتے ہیں سب دوست
جو بات اونسے مین پوچھوں جواب ہے زنجیر

اگرچہ مجھپہ عقوبت ہے چین خلق کو ہے
مرے جنوں کو برائے ثواب ہے زنجیر

ترے خیال میں مجھ تک آنے پاوے خواب
مگر کہ اوس سے مرا پائے خواب ہے زنجیر

یہ مو بمو ہے اوس بت کی زلف خم در خم
بغیر وحشت دل بیحساب ہے زنجیر

جنوں زیادہ نہو کیونکہ زلف سے میرا
غضب تو یہ ہے کہ پرپیچ و تاب ہے زنجیر

جسطرح دیوی ہے شیرینی زباں پر لذت
اسطرح چشم کو ہی رویئے دِل آرام لذیذ

کامِ جاں میں مری یوں چشم کی لذت ہی تیری
جوں زبان اور دہن کو لگی بادام لذیذ

جو نہی مین لایا زباں پر لگی سب چاٹنی ہاتھ
کس قدر نام خدا ہی یہ ترا نام لذیذ

زیست آخر ہو تجھی تلخ مراخوں ہپینا
اب تو لگتا ہی تجھے ای دِل خود کام لذیذ

دِل کو بھن لینی دے میرے تو گزک کرنا تو
مطلقاً ہو نہ کبابِ جگرِ خام لذیذ

ناگوار آب سے خنجر کی بھی ہی یہ ہیہات
اوس بنا مجھکو لگے کب مئی گلفام لذیذ

گو کہ تو زہر دے ساقی اسے بھر بھر کے جام
لیک حسرت کو تیری ہاتھ کا ہی جام لذیذ

خط کی لکھنے کو جو نہی مین لیا جاناں کاغذ
اشک خونی سی ہوا بس وہیں افشاں کاغذ

حال کیا تجھکو لکھوں اسکی سفیدی سی تو
جان لیجو کہ یہ ہے دیدۂ حیراں کاغذ

پردۂ چشم تری پاس مین بھیجا ہے لپیٹ
چشم میں تیری نہ ہو خط کا نمایاں کاغذ

حال درہم مرا خط سی ہی مری جانیو تو
کہ ہی پیچیدہ بصد حالِ پریشاں کاغذ

جا بجا اس میں سیاہی و سفیدی ہی گی
خط کا بھی ہووی پیارے اسی عنواں کاغذ

ہی سیاہی سی تو ظاہر یہ مرا بختِ سیاہ
رو سفیدی جو رکھے ہی یہ فراواں کاغذ

اس لئے تا کہ اسی پر تو لکھے خط کا جواب
تیرے ہاتھوں سی بنے رشکِ گلستاں کاغذ

اور جو اس پہ نہ لکھے چاہی جدا کاغذ تو
تو بنا بھیجوں مین اک اور طرح واں کاغذ

استخواں میری کہوں کوٹ کی کاغذ تو بنا
اور رقم کرنی کو واں بھیج دہی دوراں کاغذ

آگے ہی اوس سے دِل میرا جا پہونچا اوکے پاس
رکھتا تھا جلد چلنے کا یہ نامہ بر گھمنڈ

حسرت کو شعر اپنے کا آگے گھمنڈ تھا
اب کیا کرے یہ بُلبُلِ بے بال و پر گھمنڈ

کرے جوران بتوں سے آسماں اخذ
ستم کرتے ہیں دِل سے یہ بتاں اخذ

مکرنا دِل کو لے کر اِس جہاں میں
ہوا تم سے ہی اے سنگیں دِلاں اخذ

یہ عیّاری یہ طرّاری یہ باتیں
بتاؤ کس سے کیں ای مہرباں اخذ

کرے بندہ جسے تو دِل پہ دی داغ
ہوا اس داغ کا تجھسے نشاں اخذ

کہاں سُرخی ہی اوس میں تیری لب سے
کری ہے رنگ کو بھی برگِ پاں اخذ

دہن سی تیرے تنگیِ دہن کو
کرے گلشن میں غنچے کا دہاں اخذ

تیری آنکھوں سے بیماری ہر اک دم
کرے ہی میری جانِ ناتواں اخذ

بجز دشنام کچھ تیری نہیں بات
بتوں میں یہ ہوئی تجھسے زباں اخذ

زباں خاموش دِل سے نالہ کرنا
ہوئی ہی ہم سے یہ آہ و فغاں اخذ

نکرنا چشم کے بھی گھر میں منزل
کرے اشکوں سی میرے کارواں اخذ

سُنا تھا قصۂ فرہاد و مجنوں
ہوئی حسرت سی اوسکی داستاں اخذ

گرچہ ہی گوش کی تئیں لذتِ پیغام لذیذ
پر مرے دِل کو تری مُنہ کی ہی دشنام لذیذ

لب کی لذّت سی ترے مرگ کی تلخی بھی نہو
کہ جسے بوسہ دئے تُو اوسکا رہی کام لذیذ

گل کو کیا دیکھے ہی گر ہو سکے تو کر بلبل | جیب کو اوسکی ذرا تارِ نظر سے پیوند

چاکِ دل کا نہ رفو اُس سی بھی ہووی حسرت
آسماں ہیں جو لگاتا ہو ہنر سے پیوند

اے شوخ کیا ہی یاد تجھے آہ دست بُرد | کی لاکھ دل پہ تو نے سرِ راہ دست برد
اے عشق کون دل مری سینے سی لے گیا | کیا میرے گھر ہی گھر میں ہوا آہ دست برد
ایک روز رفتہ رفتہ یہ جی بھی تمام ہے | ایسی ہی گر رہی غمِ جاں کاہ دست برد
تو دن کی روشنی ہی میں لوٹے ہی ورنہ دُزد | ہرگز نہ کر سکے بہ شبِ ماہ دست برد
گل مست ناز میں ہے بلبل خروش میں | اور یاں خزاں سو کر گئی ناگاہ دست برد
چھینا ہی تو نے ہی دلِ پرخوں حنا سی یہ | ثابت ہی تیرے ہاتھ پہ واللہ دست برد
دل کا نگر بسا نہ کہ ویران خود کرے | یوں ملک رہ چکا جو کرے شاہ دست برد

دل رکھتے تھے بساط میں حسرت سو دی چکے
اب غارت اس دیار میں ہو خواہ دست برد

پیدا ہوا ہی تجھکو مرے قتل پر گھمنڈ | سب مجھسے ہی غریب نہیں ہیں مگر گھمنڈ
آنے دے خط کو اپنے تو منہ پر ذرا میاں | معلوم تیرا ہووی گا شام و سحر گھمنڈ
ہم سے کہاں اُڑو گی نظر باز ہم بھی ہیں | پہچاننے پہ رکھتی ہے اپنی نظر گھمنڈ
کیا کوئی تجھ سا دل کا کشتہ نہ پاویں گے | اللہ رے غرور ترا اس قدر گھمنڈ
دو دن میری چشم کے تو دو بدو ہوا | رونے پہ تجھکو تھا یہی اے ابرِ تر گھمنڈ

کافر و دیندار سے صلح تھی حسرت کی تئیں
کرتے ہیں اسواسطے گبر و مسلمان یاد

محبت کا ہوا رستا مگر بند
کہ ہے خط و کتابت سر بسر بند

مگر پڑتے ہیں اس رستے پہ قزاق
ہوئی جو آہ راہِ نامہ بر بند

دلوں کی راہ تو جاری ہے باہم
اگر ہووین جہاں کی رہ گذر بند

سو تیرا دِل نہیں ہے صاف مجھ سے
کہ اس دِل پر ہوا اس دِل کی خبر بند

کہا کب تونے جو خط یاں نہ بھیجا
یہ سُن لے آگے ہی مجھکو نہ کر بند

جو مرغِ نامہ بر مین یاں سے بھیجا
کیا قید اوسکو تونے کرکے پر بند

جو کوئی لے گیا پیغام میرا
کیا وہیں اوسے تونے نظر بند

صبا کو گر کیا قاصد مین اپنا
تو بیٹھا رخنۂ دیوار کر بند

جو پہونچا نامہ بر خود ہوکے حسرت
کیا اوسکی ہوا کو سُن کے در بند

یہ نہیں جیب اسے لاوے گا کدھر سے پیوند
ناصحا چاکِ جگر کا ہو جگر سے پیوند

نخل کو نخل سے پیوند ہے ہر باغ کے بیچ
عشق کے نخل کو نہیں ایک شجر سے پیوند

آنسو کے تار میں لٹکی ہیں عرق کے موتی
یار البتہ ہے رشتے کو گہر سے پیوند

کیا ہوا گو نہیں یہ جیب رفو کے قابل
میرے دامن کو تو ہے دیدۂ تر سے پیوند

اے جنوں فیض سے ہے چاک کی اب اتنا کچھ
اس گریباں کو گریبانِ سحر سے پیوند

کرے دونوں پہ تیغِ عشق جب کار
اُودھر صیاد تڑپے اور اِدھر صید

ترا فتراک کیا دامِ بلا ہے
بندھے ہیں جس میں ظالم صید پر صید

کرے وہ بت نگہ سے جا کے بسمل
حرم کے بیچ میں پاوے اگر صید

یکایک دل کمندِ زلف میں کھینچ
گیا اور آہ تھا یہ بے خبر صید

ترا بازِ نگہ اُڑنے نہ دیوے
وہیں لے کھولے جونہی بال و پر صید

نہیں صیاد سے ڈرتا مرا دل
نہیں دیکھا میں ایسا بے جگر صید

گرفتارِ الم ہے کب سے حسرت
ق
نہیں تو نے کیا اس کو مگر صید

وگر ہے صید تیرا تو خبر لے
کہ جاتا ہے تغافل ہی سے مر صید

لے چلے تم میرا دلِ گو نہیں اس آن یاد
تمکو فراموش ہی اور مجھے ای جان یاد

کہتے ہو وعدہ کیا سو میں وفا کر چکا
تمکو ہی نامِ خدا اِن دنوں طوفان یاد

جب تئیں نزدیک تھی یاد تھا میں آپ کو
دور ہی انسان کو آوے نہ انسان یاد

ہووے ہے حُبّ الوطن بعد خرابیٔ دل
آوے گا غم کو بہت یہ دلِ ویران یاد

دور ترے حسن کی چشمِ بد اے شوخ لب
کہ کوئی آتا بھی ہی بے سروسامان یاد

اب کے چھٹے بھی جو ہم قیدِ قفس سے تو پھر
آوے گا گلشن میں یہ گوشۂ زندان یاد

مصر کی شاہی میں کچھ تجھکو ای یوسف ذرا
آیا نہ یعقوب کا کلبۂ احزان یاد

دیکھوں ہوں گلشن میں آہ گل کو جو میں چاک جیب
آوے ہے اپنا جنون مجھ کو گریبان یاد

جو اوٹھ جائیں گے یاں سے ہم تو ہم کو
پھرے گا آہ کرتا جستجو درد

تو بلبل ہم سے تعلیم سخن لے
کرے پیدا جو تیری گفتگو درد

نہیں ہیں گل مگر ہوں داغ حسرت
پریشاں مجھ سے ہے عالم میں تو درد

ہمارے نالوں سے کرتا ہے نت قفس فریاد
کہ آہ جل گیا میں ٹک تو کر تو بس فریاد

سمجھ نہ اپنے ہی نالوں میں تو اثر بارے
ہمارے دل سے بھی ٹک سن لے ای جرس فریاد

ذرا تو آن کے ہمدم ہمارے لب سے ہو
اگر ہے تجھکو بھی اے نزہت ہوس فریاد

میاں ستم کا ترے مجھ سے بدلا کیا جووے
مگر یہ غمزدوں کی ہے دست رس فریاد

نہیں ہے عشق کی عزت سے کچھ بھی تجھکو خطر
کہ ہنس کے مجھ سے تو کہتا ہے ہر نفس فریاد

وہ درد دل کا عجب درد ہے کہ جس سے آہ
کرے ہے شہر میں ہر شحنہ و عسس فریاد

یہ جانتا ہے کہ شکوہ ہے میرے جور ہی کا
کسی کا کب سنے وہ شوخ ملتمس فریاد

سنے ہے حسن مری کب غرض جلانا اسے
کرے سو شعلے سے کیا آہ خار و خس فریاد

گلی میں اوس کی نکر آہ و نالہ ای حسرت
سنے نہ وے تو بے فائدہ ہے بس فریاد

دل بیمار کو میرے نہ کر صید
کہ قابل ذبح کے ہووے نہ ہر صید

یہ انسان و وحوش و طیر کیا ہیں
فرشتے کو کرے اوس کی نظر صید

پھرا اوس کی گلی سے پھر نہ افسوس
ہوا شاید کہ مرغ نامہ بر صید

ترے ستم سے تو ستم کا بھی ہو زہرہ آب
میرا ہی آہ اوٹھاتا ہی یہ جگر بیداد

عجب ہی شغل ہیں گذری ہے تجھکو لیل و نہار
ہر ایک شام جفا ہے ہر اک سحر بیداد

ستم کا لطف ہی تب جب کے آپ سی یہ کرو
دگر نہ کیا ہے یہ کرنی غریب پر بیداد

میں ان کا کیا کروں شکوہ کہ مجھپہ تو شب و روز
کرے ہی یہ دلِ نالان و چشم تر بیداد

نہو تے پر ہمیں مثلِ پتنگ نے جیتے
یہ مجھپہ لائے مرے آہ بال و پر بیداد

نظر نہ آتی تھی ہر چند ہم نے غور کیا
جو خوب دیکھا تو ہی شوخ کی کمر بیداد

ق
کہا میں اوس سی نہ کر ظلم سن کے کہنے لگا
تجھے تو لطف ہی میرا ہے سر بسر بیداد

کسی پہ اپنی میں دانست میں ستم نہ کیا
یہ میری وضع کو سمجھے کوئی اگر بیداد

تو کیا کروں میں بھلا کسطرح سی خو بدلوں
کروں مزاج پہ اپنی ہاں مگر بیداد

میں جانتا تھا اوسی رحم آوے گا حسرت
سو اب ہوا میری فریاد کا اثر بیداد

اگر اوس سے کہوں میں ایک مو درد
تو دیوے درد پر وہ تند خو درد

عمل کرتے ہیں دل پر باری باری
کبھو رنج اور کبھو غم اور کبھو درد

ق
بسی ہے ملکِ تن کی طرف بستی
کہ ہے آباد جس میں چار سو درد

تو پوچھے ہی کہاں ہے درد تجھکو
نہیں رہتا ہے تیرے روبرو درد

دکھے دل ضبطِ نالہ سے اور افسوس
کروں نالہ تو کرتا ہے گلو درد

اگر پاؤں کوئی اوس کا خریدار
کہوں اوس سے کہ لی جا مجھ سی تو درد

زور کیا ہی جو نصیبوں میں مرے وصل نہیں
سب ہی ناچاری سی اپنی کریں تقدیر پسند

اتنی جلدی تجھے کیا ہی مری خونریزی پر
جو کہ عاقل ہیں کریں کام میں تاخیر پسند

شیخ ہم صاف دلونکو سبھی بد کہتے ہیں
اور تری اہل جہاں کرتی ہیں تدبیر پسند

جنکا دلِ خوش ہی او نہیں کیا مری بیتابی سے
آہ وزاری یہ کرے ہی دلِ دلگیر پسند

رحم سے لایا اوسے اور بھی اب جور پہ یہ
توُنی حسرت نہ کی اس آہ کی تاثیر پسند

تو وعدہ کل کا کری یاں نہیں ہی کل کی امید
جو آج مل لی تو مل لی کسے ہی کل کی اُمید

اوسی کی کہنی لگا دل بھی دیکھ اوس کا مُنہ
رکھے سو کیا کوئی اس دشمن بغل کی اُمید

کبھی نہ تو نے بھی ہمدم ذرا خدا لگتی
کہ تجھ سے مجھکو تھی اک حرفِ برمحل کی اُمید

نصیب سی مری قسمت میں اور یاس ہوئی
جو میں نے شوخ ستمگر سے فی المثل کی اُمید

مسیح لب نے ترے تو دوا نہ کی دل کی
رہی ہی آہ مجھے ایک اب اجل کی اُمید

ملے ہی ہاتھ کو افسوس سی ترا لب دیکھ
مگس کو یعنی نہیں کچھ بھی اس عسل کی اُمید

جفا جو شیریں نے فرہاد پر کی اے یارو
تو سن کی ٹوٹ گئی سب دمن سی نل کی اُمید

محک میں تجربہ کی سب کا حال ہو معلوم
رکھے نہ اپنے کوئی قلب پر دغل کی اُمید

خدا کے فضل کی اُمید ہی مجھے حسرت
رکھے ہیں عابد و زاہد سبھی عمل کی اُمید

خدا کا خوف کر اتنی بھی اب نکر بیداد
کری ہے دیکھنے کو منع اس قدر بیداد

اشک آنکھوں میں تری شوخ گل اندام سفید — دیں بہار ایسی کہ جیسی گُل بادام سفید

بسکہ ہُوں منتظرِ یار رکھوں ہُوں یُوں چشم — اپنے دیدے کو رکھے جیسی طرح دام سفید

چاندنی رات کا تب ہووے سماں ای ساقی — سُرخ مے سے جو بھری نقری کا تو جام سفید

گرچہ تاریک ہی بختوں سی مرے شام فراق — تیری اوس زلف کے آگے یہ نہو شام سفید

ق

خوبرو جمع تھے اور چاندنی تھی آیا جو وہ — ماہ تو ہو گیا شب کو بلبِ بام سفید

تب خجل ایسے ہوئے کاٹو تو نکلے نہ لہو — دیکھ اوسکو ہوئے سب کے رخِ گلفام سفید

پختگی داغ کی ہیگی کہ ہو جل کے سیاہ — یہ تو ظاہر ہی کہ ہوتا ہے ہر اک جام سفید

کتنا چاہا تھا کہ میں سبز کروں اپنا سخن — ایک گھڑی میں ہوا یہ دلِ ناکام سفید

حسرت اوس شوخ کو خط میں نے لکھا پر ڈر ہی
رہ گیا جس جگہ لکھتے ہیں میاں نام سفید

آئے دِل کو نہ تری زلف گرہ گیر پسند — سچ کہا ہی کہ دوانہ کرے زنجیر پسند

راستی وہ ہی کہ لگتی ہے کجوں کو بھی بھلی — گر نہیں یہ تو کماں کرتی ہی کیوں تیر پسند

... ... — آئی اوس شوخ کو بھی کچھ مری تدبیر پسند

ای مصوّر تو مجھے کھینچیو بسمل اوس کا — دیکھ کر وہ بھی کرے جو مری تصویر پسند

گر ملے باغِ جناں تو بھی نہ دِل خوش ہووے — تیرے فتراک کو کرتا ہے یہ نخچیر پسند

خاک اوس کوچے کی درکار ہی مجھکو لادے — ای ہوس تری آتی نہیں اکسیر پسند

مُدعی کی بھی تو سُن اور مری بات بھی سُن — دیکھ تو کس کی سبھی کرتے ہیں تقریر پسند

ملنا ہے مل نہیں تو میرا اب خیال چھوڑ
اس سے زیادہ مجھکو نکر تو تنگ شوخ

کہتا ہوں جب کہ ایک نگہہ اسطرف بھی کر
بتلا دی ہے مجھے دو ہیں تیر و تفنگ شوخ

تیرا جمال جادوی جمشید سے ہے مگر
حیرت سے آئینہ ہی تجھے دیکھ دنگ شوخ

حسرت کے دل کو بند کیا چار سو سے گھیر
کیا تیری زلف میں بھی ہی قیدِ فرنگ شوخ

یہ چاہیے کہ ہو معشوق شعلہ خو گستاخ
پتنگ شمع کی شعلے سے ہو نہ تو گستاخ

جگر نہ ہووے مرا کیونکہ چاک ای شانہ
تو اوسکی زلف سی ہو میرے روبرو گستاخ

میرا ہی اشک یہ جا پہونچتا ہی گلشن میں
وگرنہ اتنا کہاں ہووے آبِ جو گستاخ

حنا کا رنگ کہاں پہونچے اوسکے پاؤں تلک
یہ بیخودی سی ہوا ہے میرا لہو گستاخ

نہیں ہی شرم دم سرد پر تجھے اے نئے
کہ نالہ کرتی ہی اب میرے روبرو گستاخ

جو گوش گل میں یہ پہونچے تو کیا ہوا ای بلبل
نظر پڑے ہے مجھے تیری گفتگو گستاخ

یہ طفل اشک کی تئیں تربیت کیا دل نے
کہ یہ بہا ہو یہ پھرتا ہے کو بکو گستاخ

میں جانتا ہوں کہ ٹپکے گا خاک پر آخر
تری لبوں سے ہی یہ جام اور سبو گستاخ

جگہہ تو زلف میں دی اوسنے دلِ کو میرے پہ میں
یہی ڈروں ہوں کہ ہو دے نہ ایک مو گستاخ

اوسی بھی چاک کروں میں جنوں کی پنجے سے
جو میرے چاکِ گریباں سی ہو رفو گستاخ

وہ ڈھونڈھی ہے کوئی رنجش کا باعث اے حسرت
کہ اتنا اب تجھے کرتا ہے جنگجو گستاخ

پیدا کی عجب تو نے بھی اک تازہ نہیں تلخ

دیکھ تو آئینہ میں بھر کے نظر زلف و رخ
رہتی ہیں کیونکر بہم شام و سحر زلف و رخ

درپئے جاں ہی ادھر تیری مژہ اور نگاہ
کھینچتے ہی دل کو مرے آہ ادھر زلف و رخ

مجھکو خوشی کچھ نہیں یار شب ماہ کی
ہاں تو دکھادے مجھے اپنا مگر زلف و رخ

اشک مرے کا بھی رنگ گاہ سیہ گہہ ہے سرخ
بسکہ مجھے یاد ہے آٹھ پہر زلف و رخ

کس سی چھڑاؤں میں دل دونوں سب ہیں خوب
ابرو و چشم و نگاہ و کمر زلف و رخ

مشک کا نافہ ہی وہ اور گل رعنا ہے یہ
کیونکہ مرا پیتے ہیں خون جگر زلف و رخ

لاف نہ گلشن میں پھر خوبی کی اپنی کریں
دیکھ لے سنبل اگر اور گل تر زلف و رخ

شام سی ہو جائے صبح صبح سی ہو جائے شام
حسرت ابھی جلوہ گر ہووے جدھر زلف و رخ

گو سر بسر وہ خوب ہی رکھتا ہے ڈھنگ شوخ
پر بات اوسکی گرم ہی جیری کا رنگ شوخ

عاشق میں گرمی ہو تو اوسی وصل ہو نصیب
کیسا ملا ہی شمع سے جا کر پتنگ شوخ

رکتا نہیں ہے سینہ سی گذرے ہی وار پار
اے شوخ کیا ہی تیری نگہ کا خدنگ شوخ

حاضر ہے سر مرا تو ابھی تیغ آزما
یہ وقت ہی نکال لے دل کی امنگ شوخ

آتے ہیں تیرے گھر میں خراباتی سب جوان
آتا ہی مجھسے ملنے میں کیا تجھ کو ننگ شوخ

کل کرنا ہو اگر تو مجھے آج قتل کر
کرتا ہی نیک کام کو کوئی درنگ شوخ

طفلوں سی دل کا شیشہ بچایا ہی اب تلک
اپنے دوانے کو تو لگا ایک سنگ شوخ

خونِ جگر سوختہ کیا ہوئے ہی اے غم　　ہے آہ مرا خونِ جگر بدمزہ و تلخ

زاہد تو نہ کہہ بدلبِ خوباں کے سخن کو　　ہوتا ہی کہیں قند و شکر بدمزہ و تلخ

دِل زلف و رخ یار سے بیتاب ہی از بس　　ہی زیست مجھے شام و سحر بدمزہ و تلخ

صورت جو رقیبوں کی نظر آتی ہے ہر دم　　رہتا ہی یہ جی آٹھ پہر بدمزہ و تلخ

واعظ نہ دلا خوف مجھے حشر کا اِتنا　　کہہ اور سخن باتیں نہ کر بدمزہ و تلخ

کچھ عشق کا یا حُسن کا افسانہ سُنا اب　　کرتے نہیں یہ حرف اثر بدمزہ و تلخ

حسرت غزل ایک اور بھی کہہ سُن کی یہ شاعر
ان شعروں کو کہتے ہیں اگر بدمزہ و تلخ

گالی تری ہرگز نہیں شوخِ نمکیں تلخ　　پر لگتی ہی مجھکو یہ تری چینِ جبیں تلخ

گر اوس لبِ شیریں کی تمنّا نہو جی میں　　ہو جی کا نکلنا نہ دمِ بازپسیں تلخ

اک عمر کٹی نزع میں اب تن سے نکل جا　　یہ زیست ہوئی ہی مجھے ای جانِ حزیں تلخ

شیریں دہنو ہاں بھی کرو کام پہ میرے　　لگتی ہی تمھاری مجھے ہر دم کی نہیں تلخ

ناسور کے مانند ہو زخم اس کے جگر میں　　ہو جائے کسی کی جو سخن ذہن نشیں تلخ

ٹک دیکھیو کیا پھول جھڑا کرتے ہیں منہ سے　　کہہ بیٹھے ہی ہر بات پہ جو شوخ وہیں تلخ

بی طرح سے دشنام کی خو اوسکو ہوئی ہی　　صحبت میں کسی اور کی بولے نمکیں تلخ

حسرت تجھے رحمت ہے کہ شیریں سخنی میں

ارشاد کیا عشق نے کچھ اور یہ کہے کچھ ‏ / کیونکر نہ مجھے شیخ کا ارشاد لگے تلخ

جو چاہے ستم کردہ نہیں ہم کہ جو ہم کو ‏ / یہ ظلم ترا اے ستم ایجاد لگے تلخ

کہہ پانچ غزل اس میں بدل قافیہ حسرت ‏ / گو تجھ سا کسی کو کوئی اوستاد لگے تلخ

فرہاد ترا کام یہ شیریں سے ہوا تلخ ‏ / نہ تیشہ سے نہ جام یہ شیریں سے ہوا تلخ

تھی وصل کی فرہاد سے سو وعدۂ شیریں ‏ / آخر ہی کا پیغام یہ شیریں سے ہوا تلخ

تھا قند و شکر آہ سخن اوس کے دہن کا ‏ / اب دیوے ہے دشنام یہ شیریں سی ہوا تلخ

اوس چشم میں تھا لطف سو اب قہر و غضب ہے ‏ / افسوس کہ بادام یہ شیریں سے ہوا تلخ

تھا عشق کا انجام تو شیریں اوسے آخر ‏ / فرہاد کا انجام یہ شیریں سے ہوا تلخ

شیریں سخنو اور غزل کہتا ہوں میں اب ‏ / سمجھو نہ تم اتمام یہ شیریں سے ہوا تلخ

فریاد پہ مجھکو نہ کرو شور نہیں تلخ ‏ / جو شور کہ رقت سی ہو وہ شور نہیں تلخ

جو حسن کہ ہو سبزۂ خط سبز سے اوس پر ‏ / افزود نمک ہووے سو وہ شور نہیں تلخ

صیاد نہ یہ مرغ خوش آواز کرے ذبح ‏ / اس کا سبھی مل کر نہ کہو شور نہیں تلخ

حسرت تو غزل اور بھی صنعت سی کوئی کہہ ‏ / لیکن ہو ردیف اسمیں بھی گو شور نہیں تلخ

یہ حرف ہیں غیروں کے اگر بد مزہ و تلخ ‏ / صحبت بھی مجھے آتی ہے نظر بد مزہ و تلخ

نہو گا شرع کا نقصان کسی طرح ای شیخ
جو چھپ کر مے پیے کوئی کبھی پیے نہ صریح

خدا کو حسن پرستی سی آپ بھی ہے شوق
جو جھوٹ بولے ہے حسرت تو کر لو تم تنقیح

جو رند مے پئیں زور آوری نہیں ہی مباح
حلال دخترِ رز ہے بغیر عقد و نکاح

مرا تو کام نہ حاصل ہو زہد و تقویٰ سے
بغیر حسن پرستی نہیں ہے میری فلاح

وفا ہی اوس میں ہیں تو آپ ہی وہ کر رہیگا رحم
کہ فائدہ نہیں کرتا یہ زاری و الحاح

کسی کی پاس تو تم شب رہی تھے ای مشفق
جو آئے نیند کی ماتے ہو آپ بوقتِ صباح

یہاں ہی کچھ نہیں الفت ہوئی ہی آپس میں
کہ ہیں ازل سی میاں آشنا بہم ارواح

نجاؤں میں تو مروں جاؤں تو کریں وہ قتل
اس امر میں کہو کیا دوستوں کی ہی گی صلاح

رقیب چاہیں ہیں حسرت کا قتل یوں نہیں کر
فانّ فیہ لکل المنافقین نجاح

اس دل کو نہ ہرگز تری بیداد لگے تلخ
اور اوسکی میاں یوں تجھے فریاد لگے تلخ

کہتا ہے کہ تو ذکر نہ کر ہر گھڑی میرا
یہ طرفہ ہے تجھکو جو تری یاد لگے تلخ

یاں تک میں تجھے ضبط کروں جانی شتاں کے
جو زیست تجھے ای دلِ ناشاد لگے تلخ

ای عشق تری باتیں یہ سب ہیں کہ لگی خوب
خسرو بدلِ شیریں و فرہاد لگے تلخ

صد نشترِ غم لگتے ہیں میری رگِ جان پر
کیا تیری یہ نشتر مجھے فصاد لگے تلخ

غم جان کو دیا کہ میری دل کو تیں داغ
کافر ہوں اگر عشق کی امداد لگے تلخ

برسوں ہوئی ہیں ختم تگ و جنگ میں پیام
بات ہے کوئی بگڑی تو رہے برقرار صلح

دشمن کے دل میں اب تو عداوت ہی ہو بجائے
ظاہر میں ہم سے گو کہ کرے وہ ہزار صلح

کچھ حرفِ دوستی ہو تو ہو جنگ و صلح بھی
تجھ سے امیدِ جنگ نہیں در کنار صلح

دستِ جنوں کو جنگ گریباں سے گو نہیں
پر دیکھیے رکھے جو یہ فصلِ بہار صلح

پائے رقیب صلح کی اب درمیان ہے
کیں تا وہ رہے گی میاں پائدار صلح

اغیار مجھ سے لڑتے تھے کوچے میں تیرے روز
اب کچھ تو ہو کے کرتے ہیں نا اعتبار صلح

ظاہر ترے مزاج میں کیسی کجی سے آہ
تم لڑ کے بھی تو مجھ سے کیے روزگار صلح

شاگرد اب ہوا ہی مگر اس کی طبع کا
ہرگز نہیں ہے تجھ میں تو جوں نغمہ یار صلح

کہتا ہے تو ملوں گا نہ اس سے پر آج کل
حسرت کرے گا آپ سے بے اختیار صلح

نہ مجنوں مجھ سے برابر ہو ضعف میں ہے صریح
وہ استخوان تھا اور پوست میں بنا تشریح

نہیں ہے رتبہ میں مجھ سا تو کوہ کن وہ موا
سر اپنا پھوڑیں شمشیر یار کا ہوں ذبیح

غرض ادا سے ہے باقی جو حسنِ دلبر ہے
وہ خواہ ہووے صبیح اور ہووے خواہ ملیح

جنابِ دوست میں ہے دوستو نیاز قبول
کسی کے پاس ہو زنار یا کہ ہو تسبیح

جدا ہے ساری کتابوں سے بحث الفت کی
نہ آوے گر سمجھ تو شیخ یا کوئی توضیح

میرا جو حال ہے سواد سیہ آشکارا ہے
گھڑی گھڑی نہ کرو اس عیاں کی تم تصریح

خدا کا جلوہ بتوں میں نظر پڑا میں کہا
تو کیا ہوا بھلا زاہد نہیں یہ حرف قبیح

اور کوئی پوچھے کس طرح حشر کا روز ہووے گا   ہم سی خدانخواستہ ہو تو جُدا کہ اسطرح

پوچھے جو شیخ کیونکہ دل حسرتِ زار کا لیا
اوسکو بھی تو دکھادے یار ایک ادا کہ اسطرح

غیروں سی تُو ملے ہی مرے روبرو صریح   کہتا ہی دوست اور مرا دشمن ہی تو صریح
آزردگی تجھے نہیں منظور کس طرح   ہر بات پر تو بگڑی ہے اے تُندخُو صریح
کہتا ہی یار غیر کو بھی مجھ کو بھی تُو اور   آپس مین یہ لڑائی کی ہے گفتگو صریح
بھکا دیا کسی نے جو کھاتا ہے طیش تُو   معلوم ہووے ہی تیری تبدیل خُو صریح
چہرہ ہے سُرخ اور ہی عرقناک مت مُکر   لڑکر کسی سے آیا ہے اے جنگجو صریح
کس کو کیا ہی زخمی چھپاتا ہے کیوں بتا   ظاہر ہے آستین میں تیری لُہو صریح
کیونکر نہیں ترا ہی پُر آشفتہ اب مزاج   آشفتہ زلف کے تری مُنہ پر ہیں مُو صریح
دل مین غضب ہے جی میں ترے عزم قتل ہے   آنکھوں سی خون برسی ہے اب ہو لُہو صریح
بھکی ہوئی تو باتیں کری ہے ہر ایک دم   آتی ہی تیری بات سے خونی کی بُو صریح
تیغ و سپر ہی ہاتھ میں رکھتا ہی اندلوں   ق   سمجھا ہی تو نے اپنا کسی کو عدو صریح

حسرت کا سارا فکر ہی جاتا ہیں ای میان
پھرتا ہی اوسکو ڈھونڈھتا تو کو بکو صریح

دیکھی نہ ایسی جنگ نہ مین زینہار صلح   سو بار دن میں لڑتی ہو اور سو ہی بار صلح
دو چار روز جنگ کو بھی اعتبار ہے   پر کیا کہوں کہ تیری ہے بے اعتبار صلح

رو رو تمام رات میں آنکھیں سفید کیں	اے مست خواب دیکھ تو اوٹھ کر بہار صبح

حافظ کی طرح مستی ہی عالم میں خوب ہے
حسرت سی پوچھتا ہی تو سُن کاروبار صبح

تجھ پہ مفتون ہیں ای رشک گلستاں گل و صبح	کہ میری طور سی ہیں چاک گریباں گل و صبح
جب تو گلشن میں سحر جاوے تو ہوں ای خورشید	جلوہ گر خوبی و رونق میں دو چنداں گل و صبح
تابش مہر دونوں ہی کی جاوے گی بہار	مغتنم جان لے اے بلبل نالاں گل و صبح
اولٹا ہی اپنا نمک آن کے دی جاتے ہیں	آئے ہیں خوان پہ گیتی کے جو مہماں گل و صبح
کھول دی اپنے میاں تو بھی گریبان کی بند	اتنی خوبی پہ بہت اپنی ہیں نازاں گل و صبح
بس کہ ہی رنگ ترا سرخ و سفید اور رخشاں	حسن سی تیرے ہی دن رات نمایاں گل و صبح
گرتی ہیں لخت جگر میرے گریبان میں بھی	تیری دولت سی ہم یاں بھی ہیں جاناں گل و صبح

صبح آئینہ میں اوٹھ کر جو وہ منہ دیکھے ہے
دیکھ کر ہوتی ہیں حسرت اوسی حیراں گل و صبح

شمع کی ہی جو شب کو لاف ہمسرہ دکھا کہ اسطرح	صبح جو نکلے کر ذرا سینہ کو وا کہ اسطرح
سرو کو ہو جو سرکشی قد کشیدہ کو دکھا	گل جو دکھا دی پیرہن کھول قبا کہ اسطرح
گر کوئی پوچھے تجھ سی جان دن میں کیونکہ رات ہو	زلف سیہ کو منہ پہ تو کھول دکھا کہ اسطرح
اور کوئی تجھ سی یہ کہے رات کو دن ہو کسطرح	جلدی سی تو نقاب کو منہ سی اوٹھا کہ اسطرح
گر کہے کوئی بہشت میں کیونکہ یہ خلق جاوےگی	پیارے سے عاشقوں کو تو گھر میں بلا کہ اسطرح

گر بے خطا ہوں میں تو مجھے آ کے وصل دے		اور ہو گناہ میرا تو دینے سزا پہنچ

القصہ اب نہیں ہے ذرا تاب انتظار
جس طور جانے پاس تو حسرت کے آپہنچ

کل جو پہنچی تری آواز مرے کان کے بیچ		آگئی سنتے ہی بس جان مری جان کے بیچ
سخت ہی خوف مجھے دل کی خدا خیر کرے		آگ پھر بھڑکی ہی اس سینۂ سوزان کے بیچ
یاں تلک روئی ترے غم میں کہ روتے روتے		نام نم کا نہ رہا دیدۂ گریان کے بیچ
مجھ سے کیا پوچھے ہے کیا میں نے کیا تجھ پہ ستم		تو ہی سر ڈال کے دیکھ اپنے گریبان کے بیچ
اب خدا خیر کرے جو نہ چھٹے جیتے جی		بری طرح دل تو پھنسا زلفِ پریشان کے بیچ
ساربان محملِ لیلیٰ کو ادھر ٹک لے چل		خاک مجنوں کی بھٹکتی ہی بیابان کے بیچ
رو رو اک شاخ پہ گل بیٹھی ہوئی بلبلِ زار	ق	حسرت اس شعر کو پڑھتی تھی گلستان کے بیچ

وائے اے فصلِ خزاں سیر نہ دیکھا گل کو
اور ہی رنگ ہوا باغ کا اک آن کے بیچ

جوں شمع رات بھر تو کیا انتظارِ صبح		پھر ہو گئے تمام ہوئی جب دوچارِ صبح
پیری میں دیکھنا یہ جوانی کی غفلتیں		خمیازہ شب کی مے کا دکھاوے خمارِ صبح
وعدہ خلاف آپ ہی کہیں کب تلک رہوں		آنکھوں میں رات کاٹ کے امیدوارِ صبح
جی میں ہے دیکھ چاک گریبان صبح کا		کیجے تمام جیب و گریباں نثارِ صبح
صبح است ساقیا قدحے پُر شراب کن		لیکن شتاب ہو کہ نہیں اعتبارِ صبح

بے نالہ اگر ہووے یہ دِل یا کہ جگر ہیچ
ور نالہ بھی نکلا تو کوئی اوس سی اثر ہیچ

اول تو نہیں پھرتا ترے کوچے سے کوئی
اور آیا بھی پیغام برا پنا تو خبر ہیچ

بے نام و نشاں حُسن کا جلوہ ہے سراپا
پایا جو دہن ڈھونڈ کی ہم نے تو کمر ہیچ

دیکھا ہی نہیں جاتا کسی طرح تیرا حُسن
دیکھی بھی اگر کوئی جھلک مین تو نظر ہیچ

ہوتا نہیں سرسبز میاں نخلِ محبّت
اور سبز بھی رو رو کے کیا مین تو ثمر ہیچ

ممکن ہی نہیں قول کو ہو اوسکی قرار اب
جو کر بھی گیا شام کو وعدہ تو سحر ہیچ

مانندِ نگیں کچھ نہیں ہی پاس تو حسرت
مائیم و دِل و حسرتِ دیدارِ دگر ہیچ

آنکھوں مین دم تھا سو بھی چلا بیوفا پہنچ
آنا اگر ہی تجھکو تو جلدی سے آ پہنچ

کافر اگر صنم ہے تو آمان رام کو
ور ہے تو دیندار تو بہرِ خدا پہنچ

گر بے وفا ہی قتل ہی کرنے کو آ یہاں
اور با وفا جو ہو تو برائے خدا پہنچ

ور صاف مجھسے ہی تو دِل صاف سی تو آ
اور جو خفا بھی ہی تو زروئے ریا پہنچ

گر سُست عہد ہی تو اوٹھا گام ناز سے
اور چُست و تیز گام ہے مثلِ صبا پہنچ

گر دل مین کین ہے تو ہو خوش رنج دیکھ کر
اور مہربان ہی تو برائے دعا پہنچ

گر شرم اپنے قول کی ہے تجھکو آپ آ
اور جو نہیں تو خلق سے کرکے حیا پہنچ

گر ہم سے کچھ غرض ہی تو مطلب کو اپنے آ
اور کچھ نہ کام ہووے تو بی مدعا پہنچ

جان بخشی کرنی ہو مری تو آ کرم سی یاں
اور دلربائی ہو تو بہ ناز و ادا پہنچ

سیدھے ہوویں سب شہانِ تاجدار
پھر کُلہ کو کیجیو اِک بار کج

تو نہیں کرتا ہے سیدھی ایک بات
کیا یہ خلقی ہے تری گفتار کج

طاق بتخانہ کا گو خم دار ہے
تیرا قبلہ بھی ہے اے دیندار کج

زُلف و ابرو اور مژگان و نگہ
سب یہ کج ہے تِس پہ بختِ یار کج

پشت میں جب خم پڑا کیا زندگی
گر پڑے جس وقت ہو دیوار کج

بر نہ آسکئے کجی سے ایک کی
جمع یاں اب تو ہوئے دو چار کج

ٹیڑھے ٹیڑھے اوسکے یوں مژگاں ہیں آہ
جیسے ہووے خنجرِ خونخوار کج

آسماں سے راستی حسرت نہ چاہ
کج روش ہے چرخِ ناہنجار کج

اگر سچ مچ ہے یارو یار کا کوچ
تو ہے اب میری جانِ زار کا کوچ

نہیں کچھ توشہ دل کو ساتھ کر دوں
اگر ہے آج ہی دلدار کا کوچ

فغان و آہ فریادِ جرس ہے
مگر ہے گا دلِ افگار کا کوچ

دلِ عالم اور جانِ بُنگاہ
عجب ہے اس سپہ سالار کا کوچ

کمندِ زلف سے سب شہر کر صید
چلا ہمراہ لے عیّار کا کوچ

جہاں تک ہو سکے تو رو لے بُلبُل
خزاں سے ہے گل و گلزار کا کوچ

ذرا رخصت کو آ حسرت کی اب تو
ترے ہے طالبِ دیدار کا کوچ

دیکھئے اب ہووے زیست کیونکہ ہماری
درپئے جان ہوگا دمبدم الم و رنج

جب کہ مرونگا میں ہو کے بیکس و تنہا
آہ کریں گے یہ میرا غم الم و رنج

آنکھوں سے تو دیکھ خوں بہا مری حسرت
اتنا قلم سے نکر رقم الم و رنج

بس ہی تری مژہ نہیں خنجر کی احتیاج
پھر کچھ میرے قتل کو نہیں ہمدگر کی احتیاج

ابروسی ٹک اشارہ مرے قتل کو بھی کر
اس تیغ سی برآئی ہے اکثر کی احتیاج

زر تو نہیں یہ جان و سر اوس پہ نثار ہے
ہو رفع اوس سی ہوئے ستمگر کی احتیاج

شاہانِ مالدار سے کہدو گدا کی تئیں
سر تن پہ بار ہی نہیں افسر کی احتیاج

جا ساکنانِ شہر کو پیغام دو مرا
خوش ہوں میں دشت بر میں نہیں گھر کی احتیاج

منعم کو یہ سخن مرا پہونچاوے اب کوئی
یاں گنج غم ہی دل میں نہیں زر کی احتیاج

ہر ایک اشک میرا دُرِ شاہوار ہے
دریا ہوں میں مجھے نہیں گوہر کی احتیاج

جوں بوئے گُل چلی یہ سبکبار جاں ہوئی
نہ دست و پا کی اور نہ پیکر کی احتیاج

ہی علم سینہ میرے تئیں علم شعر یہ
حسرت نہ ہی کتاب نہ دفتر کی احتیاج

کیوں نہ ہووے ابروئے دلدار کج
بیشتر ہو تیغ جو ہر دار کج

زلف کھاتی ہے تری یوں پیچ و تاب
جس طرح افعی کی ہو رفتار کج

قتل کرتی ہے تجھے ترچھی نگاہ
سخت قاتل ہے نگاہِ یار کج

مدت ہوئی کہ قید میں ہستی کی بند تھا
ہو وے گی مخلصی مجھے روزِ ازل سے آج

کہتا ہی تو کہ جان سے عاشق کو مارئے
واقف ہوئی ہیں ہم تو میاں اس مثل سی آج

گھڑیوں کا کیا شمار کروں ای شبِ وصال
پر ساری رات کم ہے کچھ ایک پل سے آج

حسرت مجھی ہے رشک کہ کیوں دل وہ لے چلا
جاویگا اوسکے بر میں نہ میرے بغل سے آج

پایا ہی اندنوں نہیں جاتا ترا مزاج
سچ کہہ کہ تیرے ہاتھوں سے اب کھو گیا مزاج

کہتا تھا مین نہ تجھکو کہ مت دیکھ آئینہ
دیکھا نہ تو نے یار کہ کیسا پھرا مزاج

سمجھا رہا مین تجھکو کہ مت دیکھ اپنا حُسن
آشفتہ تیرا کتنا پیارے ہوا مزاج

میری طرح مزاج ٹھکانے نہیں ترا
اپنے مزاج سے تو نہیں آشنا مزاج

جس طرح سی مزاج مرا سب سی تھا جُدا
پیدا کیا ہی تو نے بھی سب سی جُدا مزاج

دیوانہ آخر اپنے پہ تو آپ ہو گیا
جیسا پھرا تھا دیکھ کے تجھکو مرا مزاج

میرا مزاج بد تھا کہ پھرتا تھا خوار مین
تو گھر سے نہیں نکلتا یہ ہی گا بُرا مزاج

کتنا مزاج تھا ترا اپنی تراش پر
بہتر ہوا کہ آپ ہی ہوا ابتلا مزاج

اللہ چاہے تو کری مفتون یوں تجھے
حسرت کے تو مزاج سے ہو آشنا مزاج

راست کہیں اب نہ بھولیں ہم الم و رنج
دِل سی عاشق کے ہوئے کم الم و رنج

یار تو اب دے گیا ہمیں غم و اندوہ
ہمیشہ کرے گا یہ کیا ستم الم و رنج

ظالم تجھے مناتے آتے ہم مر گئے
تو ہی بتا دے رنجشِ بسیار کا علاج

کل ہی کہا تھا آئے کو یاں سب کی رو برو
گر رہے ہی آج تو نہیں انکار کا علاج

ق

کوچے میں اپنے دیکھ کے مجنونِ عشق کے
کہنے لگا کروں ہوں میں بیمار کا علاج

جلاد ہی کہاں یہ سبھی خوں گرفتہ ہیں
بن خوں لئے ہوا نکلے نہ آزار کا علاج

حسرت ہزار درد طبیبوں سی جائیں پر
عیسیٰ سے بھی نہو غمِ دلدار کا علاج

اتنا تو بیوفائی نے پایا تھا کب رواج
جیسا ہوا ہی تیرے زمانے میں اب رواج

جور و ستم بغیر نہیں تیرے شہر میں
گر یہ رواج ہی تو میاں ہی عجب رواج

کینہ نہ دشمنی میں نہ یاری میں لطف و مہر
رکھ پاسِ حسن کچھ نہیں یہ بے ادب رواج

کچھ تو ہی لطف عشق میں جو ہی خراجِ عشق
پاوے نہ کوئی چیز یہاں بے سبب رواج

مشہور گر کرم سے تو اپنے نہیں یہاں
ظالم نہ نام دور ہو پھر پاوے جب رواج

اے شاہِ حسن بندہ نوازی کی رسم کو
جب تو پسند کر لے جہاں میں تب رواج

کبھی پیچ کھاوے زلف کبھی رخ کرے عتاب
اک تازہ ملک حسن میں ہے روز و شب رواج

حسرت سی میں کہا تیرا حسرت ہی نام ہے
کہنے لگا کہ پاوے جہاں میں لقب رواج

کل تک تھا درد جنگ ہم اے دل اجل سی آج
کیا کہیے اور بھی ہی بتر حال کل سے آج

رہتا ہی مرگ و زیست کا نت شبہ آگہیں
اے مرگ چھوٹ جاویں بھلا اس خلل سی آج

جو تم سا ہی وہی تو وای تم حیف ہی اوس پر
نہیں تو تم نے پایا اس قدر آزار کس باعث

نہیں گو کھل کے کہتے حال تم باتونسی ظاہر ہے
جفا ہی عشق کی بس کرتے ہو تکرار کس باعث

غم الفت نہیں تمکو تو حسرت کی طرح پیارے
بھلا اب عاشقانہ پڑھتے ہو اشعار کس باعث

مجھکو بھاتی ہی اوس کتاب کی بحث
پہلے ہی جس میں ہو شراب کی بحث

واعظا ذکر ہجر و وصل سے ہے یاں
کر نہ بخشش کی اور عذاب کی بحث

بلبلیں کر رہی ہیں گلشن میں
تیرے ہی ناز اور عتاب کی بحث

یار سونے میں گو کہ جنگ تھا رات
معتبر کچھ نہیں ہے خواب کی بحث

دیوے گا جبرئیل کو الزام
گریہ ہے شوخ بے حجاب کی بحث

مدعی قول و فعل سے تیرے
لاکھ جاہل نے انتخاب کی بحث

ہیں تو خاموش تھا سن اے دشمن
تو نے اب مجھسے بے حساب کی بحث

پڑھ کے حسرت کا شیخ نے دیوان
کہا اس میں ہے اضطراب کی بحث

تیری ہی چشم سے ہو دل زار کا علاج
بیمار ورنہ کیا کرے بیمار کا علاج

حسن ملیح دیکھ کے بھر آوی زخم دل
تھوڑا سا ہے نمک دل افگار کا علاج

اوسکے قدم کی خاک ہی آنسو کریگی خشک
یہ طوطیا ہے دیدۂ خونبار کا علاج

صیاد آب و دانہ چھٹا تیرے صید سے
ہے ذبح کرنا ایسے گرفتار کا علاج

مبدل ہو گیا رنگِ گلِ رخسار کس باعث
مرے گلرو ہوا تو مثلِ بلبل زار کس باعث

خدا ناکردہ کیا تجھکو بھی آسیبِ خزاں پہونچا
نہیں اوس نازکی پر اب ترا گلزار کس باعث

لگی اے سروِ تجھکو بھی ہوائے عشق جوں قمری
دمِ سرد اندنوں بھرتا ہی تو ہر بار کس باعث

ہوا دل میں گذر شاید تری سیلِ محبت کا
نظر آتا ہی نم کا چشم میں آثار کس باعث

ابھی تو گل سی بھی نازک ہی آپ ہی اے سمن بر تو
اوٹھائی تو نے ظالم جفائے خار کس باعث

نہیں دیکھی اگر کچھ درد کی صورت ترے دل نے
ہوئی بیماردار اب نرگسِ بیمار کس باعث

اگر غم سے نہیں تو آشنا تو سچ بتا مجھ کو
مرے غم کا ہوا ہی آن کر غمخوار کس باعث

مبارک ہووے تجھکو لالہ بے داغ داغِ نو
چھپاتا ہی بہارِ تازہ اے دلدار کس باعث

خلافِ وضع سے تیری مجھے معلوم ہوتا ہے
کہیں عاشق ہی تو کرتا ہی پھر انکار کس باعث

ہم اور تو دونوں اب یکدل ہوئے بیٹھیں گے مل باہم
جو ہونا تھا ہوا کرتا نہیں اظہار کس باعث

یہی تھا عشق جو تجھکو ہوا آزار اے پیارے
وگرنہ ہم ہوے تھے زیست سے بیزار کس باعث

یہی غم تھا کہ جس سے لگ رہی تھی آگ سینہ میں
نکلتی ورنہ دل سے آہ آتشبار کس باعث

ہوئے جب مبتلا تم تب ہماری بیکسی جانی
تمھارے آگے ہوتی ورنہ ہم لاچار کس باعث

خدا کی قدرتیں ہیں دیکھنا تم کو نہ ملنا تھا
تمھارے دل میں اب ہی حسرتِ دیدار کس باعث

نہایت آپ کو عیّار ہی تم تو سمجھتے تھے
دیا دل ویسے ہی عیّار کو اے یار کس باعث

ہمارے آہ و نالے پہ تو سو باتیں بناتے تھے
بتاؤ تم کو دم لینا ہوا دشوار کس باعث

بتاؤ وہ بھی تم سا بیوفا ہی یا نہیں کیا ہے
بیاں کرتے نہیں کچھ اوسکی اب اطوار کس باعث

ذبح کر کر بھی وہ ایذا سے نہ در گذریگا
رحم کب آوی اوسے ہے وہ جفاکیش نپٹ

مجھکو کیا ہی کہ مین ہوں درپئ ایذا اُس کے
ہیگا اپنا ہی گرفتار بداندیش نپٹ

جور بیگانہ تو اتنا نہیں کرتا ہے ستم
سب کو ایذا دی عزیز و ستم خویش نپٹ

فیلسوفی تری اے شیخ سمجھتے ہیں ہم
تو پہن دلق بنا صورتِ درویش نپٹ

کم سے کم تیری وفا جور و ستم بیش سہی بیش
غم مساوی کا نہیں ہی یہ کم و بیش نپٹ

رونی دے یار کی رخصت میں مجھے ای حسرت
ہی مصیبت مجھے اسوقت میں دربیش نپٹ

جب محبت ہی گئی صلح عبث جنگ عبث
کام کیا ہم سے میاں کرتی ہو یہ ڈھنگ عبث

نیکناموں سی ملو تم مری بدنامی سے
جب غرض کچھ نہ رہی تمکو ہی یہ ننگ عبث

جاؤ تم باندھی پھرو اور و نپہ اب تیغ و سپر
جی میں رکھتی ہو مرے قتل کا آہنگ عبث

جان مجھکو بھی عزیز اپنی ہی کیوں مفت مین دوں
عرصہ کیوں زیست کا اپنے کروں تنگ عبث

تم کو کیا مجھسے بھلا اور مجھے کیا تم سے
جب غرض کچھ نہ رہی دل میں رہی زنگ عبث

میرا دل پاس مری آپکا ناز آپکے پاس
میری بیتابی عبث آپ کا نیرنگ عبث

ہو چکی ہونی جو تھی پہلے ہی سب دل شکنی
شیشۂ دل پہ لگاتی ہو مرے سنگ عبث

دل ہی ایجان یہ جب ٹوٹ گیا ٹوٹ گیا
اُس کے تم صبر و سکونت پہ ہوے دنگ عبث

پا شکستہ نہیں حسرت جو یہاں نہیں آتا
لیک دل ٹوٹ گیا معذرتِ لنگ عبث

پہونچنے کی جو دی اوس شوخ کو تا قاصر زیں فرصت

وصل ہی عیش کی آمد ہی مگر آج کی رات
غم کا اس دل سے ہے آہنگِ سفر آج کی رات

دلِ دشمن میں جگہہ اپنی کرے گا جا کر
یاں کچھ آتا نہیں اندوہ مگر آج کی رات

لب ہی لبریز مرا قہقہۂ شادی سے
کیوں تہیدست نہو دیدۂ تر آج کی رات

داغ کی صحبتِ دیرینہ گئی سینہ سے
ہمدمِ عیش و طرب ہے یہ جگر آج کی رات

رشکِ بدر آج مری گھر میں ہی نیک اختر سے
ظلمتِ شب ہے مرے گھر سے بدر آج کی رات

دربدر درد ہوا دل سے نکل کر میرے
عیش اس گھر پہ ہی حلقہ زنِ در آج کی رات

زہر کی چاشنی چکھے گا بہت کامِ رقیب
ہی کسی لب سے مرے لب میں شکر آج کی رات

بختِ بیدار سے بیداری گئی آنکھوں کی
خواب کو خواب ملا تا بہ سحر آج کی رات

آہ و نالہ کو نہیں حکم کہ لب تک آوے
نغمۂ عیش کو لایا ہے اثر آج کی رات

خونِ دل کی جو غذا تھی سو ہوا اوس سی پرہیز
ہی شفائے مرضِ ہجر مگر آج کی رات

کوچ کرتا ہے الم درد کی اب رخصت ہے
دیکھیں کس جا پہ یہ لیجائے بسر آج کی رات

بے خبر یار میری لینے خبر آیا ہے
دین و دنیا کی نہیں مجھکو خبر آج کی رات

کل کو کیا جانئے صحبت یہ رہے یا نہ رہے
ساقیا جام جو بھرنا ہی تو بھر آج کی رات

صبح کو پھر وہی حسرت ہی وہی لشکرِ غم
کوئی تاراجی سی بچتا ہے یہ گھر آج کی رات

اوسکے برگشتہ مژہ سی ہے یہ دلِ ریش نپٹ
نیشِ عقرب سی جگر دوز ہی یہ نیش نپٹ

سوزشِ داغ مری اور بھی افزود کرے
سرد ہے گو بہ اثر مرہم کافور بہت

یہ وہ ہے آگ کہ اک پل میں جلادے دو جہاں
آگے ٹھہرا تھا تجلی کے تو اے طور بہت

دیکھ تو آئینہ میں کون مقابل ہے ترے
اپنے ہی حسن پہ تھا یار تو مغرور بہت

جان میں آ مری ٹک اور ہو مجھ سے نزدیک
چشم میں گو تو سمایا ہے پہ ہے دور بہت

ہم غریبوں کی ذرا حق میں تو کر لطف و کرم
حق تعالی نے دیا ہے تجھے مقدور بہت

شیشہ ریزی جو ہو منظور تو اے شیشہ گرو
دل کے ٹکڑے مرے لیجاؤ کہ ہے چور بہت

کوئی جیتا نہیں حسرت سا میں دیکھا بیمار
کیوں کہ ان آنکھوں سے دیکھے ہیں میں رنجور بہت

تو کہتا ہے ترے پاس آؤں گر پاؤں کہیں فرصت
میاں کیا عاشقوں سے تجھکو ایکدم کی نہیں فرصت

کسی کا نام کر دے نقش ٹک سینے میں تو اپنے
فلک نے دی ہے اتنی تجھکو مانندِ نگیں فرصت

سمجھتا ہے کہ یاں سر شمع کا کس واسطے کاٹا
نہیں رونے کی تجھکو اے دلِ اندوہگیں فرصت

دکھا دیوے اسی دم نے کو فریادِ جرس اسکی
جو پاوے ایک نالے کی بھی یہ جانِ حزیں فرصت

خدا جانے کہ کیا طوفان آوے سارے عالم میں
اگر اشکِ رواں کو دے یہ میری آستیں فرصت

ہم اور وہ دونوں ٹک اک کنجِ تنہائی میں جا بیٹھیں
نہیں دیتا جو فرصت آسماں دیوے اے زمیں فرصت

قدم تو دوسرا بھی رکھیو اپنے آستانے پر
جو لینے دیوے سجدوں سے ذرا میری جبیں فرصت

چمن میں کوئی دم ٹک چین سے ہم دیکھ لیں گل کو
اگر دیوے ہمیں صیاد ظالم کی کمیں فرصت

سبھی ترکی تمام ان ترک تازونکی ہوئی حسرت

وہ گوہر بحر سے لایا مین جسکو یوں مشقت کر
کرے ہیں اور اوسکی گرمیِ بازار یا قسمت

وہ بازِ آشنائی سیر کرتا مین جسے دل بھر
ہوا وہ اور کے جا ہاتھ کا اب یار یا قسمت

وہ آہو جسکے تیئں مین نے کیا تھا رام ہی ظالم
شکار اوروں کا جا کر ہو گیا یکبار یا قسمت

وہ کیفی جسکو مین خونِ جگر ہر دم پلاتا تھا
وہ حسرت غیر کے ہی جام سی سرشار یا قسمت

مجھکو روتے ہی گذری ساری رات
ہجر کی کیا بلا ہے بھاری رات

وعدے کی گھڑیاں گنتے دن گذرا
اور گئی کرتے دم شماری رات

زلف میں کیونکہ دل کو ہو آرام
کرے بیمار بیقراری رات

چاہتے ہیں خدا سے مرگ مری
سُن کے ہمسائے آہ وزاری رات

کسی دشمن کے بھی نصیب نہ ہو
جیسی تجھ بن کٹی ہماری رات

دن تو کٹتا ہے شغل میں لیکن
درد دیتا ہے زخم کاری رات

گھر میں میرے چراغ سے روشن
یار کی چشم تھی خماری رات

ق

وصل کی شب نہ پوچھ حسرت سے
کتنی رکھتی تھی پائداری رات

وو ہیں آیا وہ بس وو ہیں دیکھا
کہ ہوئی صبح ایکباری رات

فی المثل گرچہ سیہ ہی شب دیجور بہت
ہی ترے ہجر کی شب اس سی بھی بی نور بہت

دلِ ظالم جو مشبک ہو تو چور اوس سی نہ جائے
موذی ہوتا ہے دلا خانۂ زنبور بہت

ہوں مریضِ عشق تس پر مین غریب و بینوا ہوں
تو ہی لب سے کہہ مجھے تو نہین کچھ دوا کی قدرت

یہ بغیر حکم جاناں کبھی اس زباں تک آوے
سو نہیں ہی آہ حسرت کو مدعا کی قدرت

حسرت دنیا ہے جائے حسرت
حاصل نہیں یاں سوائے حسرت

گر یاد رکھا اسے تو بہتر
اور بھول گیا تو وائے حسرت

برآوے کب آرزو ہماری
پیدا ہوئے ہم برائے حسرت

لے جاوے جگر پہ ایک دو داغ
جو کوئی ہو آشنائے حسرت

اے کاش کہ چرخ ہمکو دیتا
سو زخم ستم بجائے حسرت

کم ہووے نہ جی سے مرتے مرتے
دیکھی مین عجب وفائے حسرت

ہم ہوویں فنا اگرچہ تو بھی
ممکن ہی نہیں فنائے حسرت

اک وصف خدا کا جوں بقا ہے
اس طرح سے ہے بقائے حسرت

ہوا اوروں کا وہ گل رونقِ گلزار یا قسمت
ہوا حاصل نہ کچھ ہم کو بغیرِ خار یا قسمت

وہ غنچہ جو کھلایا مین تھا آب چشم سے اپنے
ہوا وہ اور ہی کا زینتِ دستار یا قسمت

کیا جس نخل کو مین سبز اپنا خونِ دل دیکر
ہوا اوروں کے ہی قسمت میں اوسکا بار یا قسمت

وہ نرگس چشم کے پردوں کا جس پہ مین کیا سایہ
شفا پاتی ہیں اوس سے اور ہی بیمار یا قسمت

وہ آئینہ جسے سیماب دل سے مین کیا روشن
گئے اور اوس نے پیدا طالب دیدار یا قسمت

کسی نے جب کہا حسرت کی سن باتیں لگا کہنے
وہ آتا ہی کریگا بات دانائی کی یہ صورت

نہ تنہا جوں جرس ہی اس دلِ ناشاد کی صورت
مرا ہر بند ہی مانندِ نے فریاد کی صورت

کوئی دم ہوش میں رہتا ہوں میں نسیان کے باعث
گیا بس آپ سی جسوقت تیری یاد کی صورت

عجب اسلوب سی یہ دل ہوا ہی صید ہی ظالم
کہ آیا دیکھتے ہی دام میں صیاد کی صورت

اجل مشتاق ہوں دیدار کا تیری کہاں تو ہی
خدا کی واسطے آبن کے تو جلاد کی صورت

غم و اندوہ و رنج و درد سب مجتمع ہیں دل میں
یہ ویرانہ بنا ہی خانۂ آباد کی صورت

تیری صورت کا نقشا دیکھکر لکھتا تو تھا لیکن
لکھے کیا ہو گئی کچھ اور ہی بہزاد کی صورت

فلک ایجاد تو کرتا ہی ہر دم ظلم پر اوس نے
ابھی دیکھی نہیں میرے ستم ایجاد کی صورت

کسی کا قدِ موزوں یاد آتا ہی مرے دل سے
نہ نکلے آہ کیونکر دیکھ کر شمشاد کی صورت

ترے غم سی جو کچھ صورت ہوئی ہی یار حسرت کی
نہوگی آہ ایسی قیس اور فرہاد کی صورت

پھری ہی جاکے اوس گلی میں یہ نہیں صبا کی قدرت
سو وہاں رقیب مسکن کرے اب خدا کی قدرت

تری زلف ہی سی ہوگا کہ سیہ کرے جہاں کو
نہیں سب جانتی ہیں یہ نہیں بلا کی قدرت

کہے شوخ تند خو سے مرا حال زار جا کر
سو میں دیکھتا نہیں ہوں کسی آشنا کی قدرت

کرے قتل تو وہی ابرو نہیں تو نگاہ اوسکی
میری جان لیوے اوس بن یہ نہیں قضا کی قدرت

کسی اور دلربا سے یہ لگاوے آنکھ جا کر
تو ہی کہہ بھلا یہ ہی گی دلِ مبتلا کی قدرت

گرویدگی سے دل کی تجھے ہے اگر خیال
مشکل نہیں یہ امر ٹک اپنی وفا کو سونپ

کرنا ہمارے دل کو پریشاں جو ہو تجھے
تو زلف کو تُو سونپ کہ بادِ صبا کو سونپ

پامال کرنا خون ہمارا جو ہو تجھے
تو اپنا پانو کوئی گھڑی تو حنا کو سونپ

حسرت وہ شوخ گر نہیں رہتا کسی طرح
جانے دے اب خفا نکر اوسکو خدا کو سونپ

ہوا سب جسم آئینہ تماشائی کی یہ صورت
ولے دیکھا نکچھ حیرت سے بینائی کی یہ صورت

فقط صحرا نوردی سے جنوں ثابت نہو مجنوں
گریباں چاک رہ ہوتی ہی سودائی کی یہ صورت

تو جتنا آپ کو کھینچے ہی دل بیتاب ہوتا ہے
ترا نازاسقدر اور میری رسوائی کی یہ صورت

کہے ہی حشر کے دن داد دوں گا دادخواہونکی
نکالی ہی بھلی ہنگامہ آرائی کی یہ صورت

جنوں ہم جی چکے خار بیاباں اسقدر وافر
الم یہ آبلوں کا دشت پیمائی کی یہ صورت

کہا ہرگز نہ اوس نے خاک افشاں دیکھکر مجھکو
کہ صد افسوس ہوگئی میرے شیدائی کی یہ صورت

پہونچنا تجھ تلک دشوار اور دل رہ نہیں سکتا
توانائی کی وہ حالت شکیبائی کی یہ صورت

اوٹھا در سے نہیں اوسکے رہا گھر میں گیے وہ اپنے
وفا میری وہ کچھ اوس شوخ ہرجائی کی یہ صورت

کوئی بیمار دار اپنا نہیں جو درد بٹ جاوے
الم کی آہ یہ شدت ہی تنہائی کی یہ صورت

بلائے جانِ بلبل وہ گلِ رعنا نہو کیونکر
مزاج اس مرتبہ میں شوخ رعنائی کی یہ صورت

ہرگز نہیں ہی لعل میں یہ رنگ ڈھنگ یار
رکھتے ہیں جو کہ نام خدا تیرے آب لب

عاشق کشی کی اب تو تیرے ہاں ہی دھوم دھام
شاید ہوں تجھسے ہم بھی میاں کامیاب اب

جو تجھ میں حسن ہی کہاں یوسف میں آب و تاب
کہتی ہی خلق بیہودہ گو بے حساب سب

پردے میں تو لئے گئی دل تو نے چھین جان
میخوار میرا مانگے گا ساقی کباب کب

رکھتا ہوں لاکھ طرح سی میں دل کو روک روک
حسرت اب اسکا دور کری اضطراب رب

بتاؤ کوئی تو ملاقات کا ڈھب
لگے ڈھب دن کا تو کچھ رات کا ڈھب

فسانہ غزل شعر قصہ کہانی
کسی طرح اوس سی بنے بات کا ڈھب

ذرا لطف کرو ہیں دل چھین لینا
نکالا ہی اچھا مدارات کا ڈھب

جو ہم بوسہ مانگیں تو منہ کو نہ موڑو
یہی خوب ہی جان خیرات کا ڈھب

جو آؤ تو آؤ نہیں واہ وا ہے
کہ ہم نے رکھا ہے مساوات کا ڈھب

لگا چھوڑنا شیخ دو چار تیچھے
تجھے یاد ہے کیا کرامات کا ڈھب

لگا نا جھڑی دو دو ہفتہ کی حسرت
یہ سیکھا ہی آنکھوں نے برسات کا ڈھب

دل ہی اگر بساط میں اک آشنا کو سونپ
ور نقد جاں متاع ہے تو دلربا کو سونپ

ای دل عبث کری ہے تو اندیشۂ رقیب
اوسکو تو عصمت اور اوسکی حیا کو سونپ

کیوں تیغ کا تو بار اوٹھاتا ہی دوش پر
یہ کام میرے قتل کا اپنی ادا کو سونپ

دہن تیرا عجب حیرت فزا ہے
کہ غنچہ رہ گیا کر میرے وا لب

جئیں مُردے ہلا دیوے تو جب ہونٹھ
مسیحا ہیں ترے نامِ خدا لب

نہیں ممکن مَرَی جو بوسے پاوے
کہ رکھتے ہیں سدا آبِ بقا لب

لگا دے لب سے میرے جامِ لبریز
اسی کو کہتے ہیں ساقی لبالب

حلاوت یاد کر کے تیرے لب کی
میں اپنے چاٹتا ہوں بارہا لب

نہ لب کو کاٹ دانتوں سے غضب ہیں
کجا دنداں کی سختی اور کجا لب

یونہیں بوسہ کی حسرت میں مروں گا
کہ اب جاں دل سے آپہونچی ہی تا لب

بے تابیاں تو کیا ہیں دلِ زار سے عجب
بے رحمیاں ہیں پر مری دلدار سے عجب

اوسکا جمال خواب میں بھی ٹک مجھے دکھائے
لگتا ہی مجھکو دیدۂ بیدار سے عجب

کردیوے اب تمام جہاں کان لعل کی
کیا ہی یہ میری چشمِ گہر بار سے عجب

کوثر کی جو امید پہ چھوڑے یہ جامِ مے
لگتا ہی شیخ مجھکو تو میخوار سے عجب

وہ ابرو آج میری طرف کل ہی اور سمت
مت جانو بیوفائی کو تلوار سے عجب

ناصح میں مستِ عشق ہوں تُو ہرزہ گو ہی کیوں
بیہودہ بولنا تو ہی ہشیار سے عجب

حسرت کے دل کو ایک نگہ پر نہ چھیڑ دے
اے یار کم دلی ہی خریدار سے عجب

تجھ بن رہے ہی دِل یہ تو ہر روز تاب و تب
پر یہ غضب ہے جو نہیں آتا ہی خواب شب

تیرے کوچے سوا دیکھی نہیں راہ
تو ہی بتلا کہ مین جاؤں کہاں اب

سماتا ہی نہیں سینہ مین یہ دم
کہاں تک مین کروں ضبطِ فغاں اب

ہوا ہے دم بھی لینا بار اِس پر
یہاں تک ہو گیا دِل ناتواں اب

مٹائی میری ہستی غم نے یاں تک
کہ باقی کچھ نہیں نام و نشاں اب

ق
فریبِ حسن سے میرا تو حسرت
یہاں تک دل ہوا ہی بدگماں اب

حنا کو رشک سے مین خون کر دوں
یہاں تک دِل ہوا ہی بدگماں اب

شبِ ہجر لے گیا یہ مرا صبر و تاب خواب
یاد اسکی ساتھ وصل تھا اور عیش خواب خواب

یوں روتے روتے سو گیا ہمدم تو کس طرح
یہ بھی کہیں ہوا ہی کہ چشم پُر آب خواب

تیرے حضور نیند مجھے کس طرح سی آے
تو نے کہیں سنا ہی میاں آفتاب خواب

پیری کی صبح جب ہوئی روشن کہاں وہ نیند
گذری شبِ جوانی و عہدِ شباب خواب

پیارے جو ساتھ ہونا تو پھر منہ چھپانا کیا
کچھ بھی یہ وضع خوب ہی کہہ تو حجاب خواب

سونا بھی اور جنگ بھی کرنا یہ زور ہے
رکھتا ہی طرفہ لطف ہر اک دم عتاب خواب

زاہد کو زہد و ذکر وظیفہ ہے نت ہمیں
چنگ و رباب شاہد و بنگ و شراب خواب

آتی ہے مجھکو بخت کی اس نیند پر ہنسی
حسرت کہیں سنا ہی کہ حال خراب خواب

سُنا مین رکھتے ہیں تیرے شفا لب
مِرے بھی واسطے اپنے ہلا لب

نجانوں دونوں جہاں سی مین کچھ سوائے حبیب
کہ ہوں مین عاشق دل خستہ و گدائے حبیب

جواب گور سے سُن لیجیو مرا لبّیک
جو میرے کان میں پہونچی کبھی صدائے حبیب

یہ زندگی مری کس کام آوے گی یارو
یہی بھلا ہی کردوں جان کو فدائے حبیب

نہ تیغِ یار سے گردن پھراؤں مین یارب
کہ عین لطف سمجھتا ہوں مین جفائے حبیب

نہ سمجھوں اپنا کسی کو رقیب رشک سی مین
وہ میرا دوست ہی جو ہووی آشنائے حبیب

وہ خواہ قتل کری خواہ میری جاں بخشے
کہ مرگ و زیست یہ مختار ہی رضائے حبیب

نہ کھوئیوں اپنی مین آغوشِ وصل کو حسرت
خدا ابھی گر مجھے دیدار دے بجائے حبیب

بھلی ہی غیر کے الطاف سی جفائے حبیب
وہی رضا ہے ہماری جو ہو رضائے حبیب

پتنگ شمع کے صدقے ہو بلبلیں گل پر
کوئی کسی پہ فدا ہو مین ہوں فدائے حبیب

اگر ہے قتل ہی منظور اوسے تو اے یارو
تمھاری پھیرے سی کیونکر پھری گی رائے حبیب

بہشت کی مجھے ترغیب مت دے اے واعظ
کسی کی مجھکو تمنا نہیں سوائے حبیب

گلی میں جانے سے اوسکی نہ منع کر ناصح
کہ کیا کری جو نجاوے وہاں گدائے حبیب

ہمیشہ مجھ سی وہ کہتا تھا مر کہین حسرت
ہزار شکر پذیرا ہوئی دعائے حبیب

نہ پوچھو جور کا اپنے بیاں اب
نہ کھلواؤ میاں میری زباں اب

نہیں ممکن یہاں راحت مگر آہ
بنے اور ہی زمین و آسماں اب

چھپا کر لو ٹک آنکھوں میں تم اشک
تو کانوں سے سنو یہ داستاں اب

جب سے کہ تیرے وقف کیا میں نے اپنا دل
تب سے نظر پڑے ہی مجھے کچھ یہ گھر خراب

پانی میں گھر بنائے جو کوئی سو کیا رہے
نت سیلِ اشک سی ہے مری چشمِ تر خراب

آنکھوں کو کھویا اشک نے شعلہ نے آہ کے
ای آہ سب جلا کے کیا دل جگر خراب

شہرِ بتاں میں درد نہیں ظلم و جور سے
بیداد طرفہ ہی کہ نہو وے نگر خراب

منظور تھی جو میری خرابی سو ہو چکی
کِس کِس کو اب کرے گا تو بیداد گر خراب

حسرت کہیں ہی ٹھور ٹھکانا ترا ابھی آہ
پھرتا ہی رات دن تو دوانے کدھر خراب

بات کا گو نہ دے وہ ماہ جواب
لیک دیتی ہے وہ نگاہ جواب

دو بدو کب رقیب سے ہم ہوں
حرف کا اوس کے دے یہ آہ جواب

قاصد اک بار جا تو اوس کے پاس
خواہ خط لکھ دے مجھکو خواہ جواب

شہِ خوباں تو خط کو آنے دے
آپ مانگے گی یہ سیاہ جواب

پوچھے ہے تو کہ کیوں ہوا عاشق
دیوے کیا اب یہ عذر خواہ جواب

دیوے ہے قبلہ کی کجی کا شیخ
کج کلاہی سے کج کلاہ جواب

عفو سے اوسکی جائے ہے حسرت
یہ میرا نامہ سیاہ جواب

مجھے خوف ہے جل نہ جاوے چمن　　قیامت ہے آتش زباں عندلیب
مصیبت بہت کس پہ ہے آ تو ہم　　کریں اپنا اپنا بیاں عندلیب
ہم اور تو یہ گو ہے اور میدان ہے　　کہیں آ تو اب داستاں عندلیب
اثر گل پہ کرتا ہے کس کا سخن　　مرے ساتھ ہو شعر خواں عندلیب

جو حسرت کے نالوں کی تو ہے حریف
تو چل اب کریں امتحاں عندلیب

اوروں کو لطف ہم کو ہی تجھ سے ستم نصیب　　تو کیا کرے ازل ہی میاں ہم ہیں کم نصیب
مجنوں کے گو نصیب میں غم تھا تو نام ہے　　ہمکو فقط جہاں میں ہوا درد و غم نصیب
ہم کو ملا نہ اور بجز کوہ و دشت کے　　بتخانہ ہے کسیکو کسی کو حرم نصیب
اکسیر بھی نصیب میں کتنوں کے ہو گئی　　ہم کو ہوئی نہ آہ وہ خاکِ قدم نصیب
تو اے فلک یہ کاسہ گدائی کا دے ہمیں　　اِک وہ بھی تھے کہ جن کو ہوا جامِ جم نصیب
اِک وہ ہیں یاں کہ جن کی ہے فرمانروا قلم　　جز اپنے استخواں نہو ہم کو قلم نصیب

حسرت نہیں ہی شکوہ غرض اپنی بخت کا
پر مدعا یہ ہی کہ یہ لائے ہیں ہم نصیب

ہم ہو کے سب جہاں میں میاں دربدر خراب
آتے ہیں تیرے در پہ یہاں سے نکر خراب

چبھتے ہیں اوس کے سینہ میں دن رات خار خار
بلبل کو جب سے ہے گل و گلزار کی طلب

مجنوں بھٹکتا کوہ و بیابان میں ضرور
ٹک دیکھ اپنے دل میں جو ہے یار کی طلب

بوسہ دے مجھکو گر مجھے کرتا ہے ذبح تو
دیتے ہیں وقتِ قتل گنہگار کی طلب

نرگس نے ہو کے گور سے باہر نکالا سر
آخر گئی نہ دیدۂ بیدار کی طلب

اک بار کہہ لی یار سے مطلب دلِ حریص
خوش لگتی نہیں کسی کو تو ہر بار کی طلب

حسرت میں کفر و دین کے رستے سے چھوٹ گیا
خواہش نہ سبحہ کی ہے نہ زنّار کی طلب

تجھ بن ہے اسطرح سے مرے دل کو اضطراب
ہوتا ہے جسطرح کسی بسمل کو اضطراب

یہ طرفہ ہے کہ قتل کو دل بے قرار ہے
نہیں قاعدہ یہ ہے کہ ہو قاتل کو اضطراب

گر بعدِ مرگ بھی تو نہ آوے مزار پر
تو حشر تک رہے گا مری گِل کو اضطراب

ناصح کہا جو تو نے کہ حسرت مرے کنے
ق
ہوتا ہے اب زیادہ مرے دل کو اضطراب

کیونکر نہ اضطراب ہو مجھکو خبر نہیں
ہوتا ہے زخمِ سینہ سے گھایل کو اضطراب

غنیمت ہے جو دم ہے یاں عندلیب
کہاں پھر یہ گلشن کہاں عندلیب

ستامت اسے باغباں باغ میں
کوئی روز ہے میہماں عندلیب

نہ گلشن میں گل دوست نہ باغباں
بناتی ہے کیوں آشیاں عندلیب

زباں اوسکی جل جاوے میری طرح
کرے ٹک جو آہ و فغاں عندلیب

بول اوٹھتے تھے خروسِ سحر و مرغِ چمن
کرنے لگتی تھی نسیم اپنا گذر آخرِ شب

آج ظاہر نہیں اون ہیں تو علامت کوئی
سو گئے گم ہوئے سب یا گئے مر آخرِ شب

ق
ای فلک چال ہیں کیوں تیری ہوا فرق اس رات
رہگیا پھرنے سے تو آج مگر آخرِ شب

دیر کیوں اتنی لگائی ہے سحر کرنے میں
کیا مرے قتل پہ باندھی ہے کمر آخرِ شب

شام سے حسرتِ مہجور تڑپتا ہے آج
زندگی اوسکی نہیں آتی نظر آخرِ شب

آہ مین نالاں نہیں دردِ نہانی کے سبب
درد جو دیکھے سو مین اس زندگانی کے سبب

مرگ کا اکثر گماں کرتے ہیں اور رو تے ہیں یار
دم جو لے سکتا نہیں مین ناتوانی کے سبب

شمع نے اس بزم میں کی کل زباں اپنی دراز
مین جلا اور کچھ نہ بولا بی زبانی کے سبب

سوگواروں کی نظر سے گر ہی جاوے ورنہ تو
آبرو ہے چشم تجھکو خوں فشانی کے سبب

خاک یاں کی سیر کیجئے یہ نہیں فرصت کہ جو
سر اوٹھا دیں ہم بلائے آسمانی کے سبب

نامہ بر دل سے نہیں بہتر کوئی پر تجھ سے
اوسکو بھی بھیجا نہ مین نے بدگمانی کے سبب

کیا مجال اوسکی کہاں تو اور کہاں میر اغبار
لگ چلا دامن سے تیری مہربانی کے سبب

اپنے لب تو وا نکر اے خندۂ زخمِ جگر
چرخ دیوے گا لاکھ غم اس شادمانی کے سبب

حشر میں حسرت کے سینے پر کئی ہونگے داغ
واں اوسے پہچانیو تم اس نشانی کے سبب

موسیٰ نہ کر تو جلوۂ دیدار کی طلب
کھوتی ہے نورِ چشم کو دیدار کی طلب

اِک روز وقت پاکر کوچے میں اوسکے جاکر
(ق) کرنے لگا بیاں میں اپنی مصیبتوں کا

دل کو کیا مخاطب اور اوس سے میں نے پوچھا
کاہی یار تو ہے پامال اِن سروقامتوں کا

اِک بات تجھسے پوچھوں گر راست تو بتاوے
سینے میں تھا وہ رہنا تجھکو فراغتوں کا

اب اس سے تو نکل کر یاں خاک پر پڑا ہے
ظاہر ہے حال تیرا سب کی کدورتوں کا

ظالم بتا تو مجھکو کیا تجھکو عاشقی میں
حاصل ہوا ہی ثمرہ اِن رنج و محنتوں کا

ہاں یہ میں جانتا ہوں جبکا ہی تو ستم کش
شایق ہی رات دن وہ تیری اذیتوں کا

کہتا تھا یہ میں دل سے اوسکو سنا سنا کر
حسرت بیان سن اب اوسکی شرارتوں کا

سن سن کے غیر سے وہ یوں مسکرا کے بولا
کیا اِسکو جھینکنا ہی طالع کی شامتوں کا

کل سہیلِ فلک آیا تھا نظر آخرِ شب
آج کچھ بھی نہیں آثارِ سحر آخرِ شب

صبح اس شب کو نہیں ورنہ طلوعِ خورشید
دور کرتا تھا سدا نورِ قمر آخرِ شب

انجم ایسے نہیں رہتے تھے نمایاں گاہے
(ق) ایک دو کرتے ہی جاتے تھے سفر آخرِ شب

اب سرکتا نہیں تارا کوئی گردوں سے مگر
رہ گئی میرے جلانے کو ٹھہر آخرِ شب

انتہا شب کی بھی ثابت نہیں پر شمع کو میں
(ق) جانا اوٹھ جاتی ہی لے دیدۂ تر آخرِ شب

سو ہوئی شمع بھی آخر نہوئی رات آخر
غیر معمول جلی شمع دگر آخرِ شب

کیسی ہی رات ہو تاریک جہاں گھٹنے لگی
آخرش نور کا پیدا ہوا اثر آخرِ شب

اے شب ہجر سر شام سے تاریکی تری
ہوتی جاتی ہی کچھ افزود و بتر آخرِ شب

اپنے یاروں سے کہا تم نے کہ پوچھو اوسکا حال ضعف سی کچھ مین نہ بولا ناتوان و زار تھا
اس کو رنجش تم سمجھنا مت سعاد تھی مری پر نہ نکلا حرف منہ سی اس میں میں لاچار تھا

لب سی کہہ تو بھی تو حسرت کی شفا کے واسطے
دیکھ آیا ہوں میں کل اوس کو بہت بیمار تھا

مرنے سے حال سارا معلوم ہو رہے گا سب جھوٹ سچ ہمارا معلوم ہو رہے گا
لاتے ہیں رند تجھکو اب کھینچ میکدے میں اے شیخ استخارا معلوم ہو رہے گا
ہوتے ہیں قتل عاشق یا غیر اوس نگہ سے جیدھر کو ہے اشارا معلوم ہو رہے گا
آؤ کنار میں تم آؤ تو کیا مزا ہو ہر بار کا کنارا معلوم ہو رہے گا
وہ جام ہی محبّت نشہ ہے جس کا قاتل اب کے نہیں دو بارا معلوم ہو رہے گا
بزم بتاں میں کس کی دیکھو ہو چشم خونی قاتل ہے جو ہمارا معلوم ہو رہے گا
آئے ہو جان لینے یا دِل ادھر تو آؤ سب مدّعا تمھارا معلوم ہو رہے گا
اے غم دل و جگر ہی سینہ ہے اوس سے جس پر تیرا ہے اب اجارا معلوم ہو رہے گا
اِک قافلے کو لے کر نکلا ہی اشک یارو سینہ سے جو سدھارا معلوم ہو رہے گا

رُخ سے نگہ سی لب سے ناز و ادا سے پوچھو
حسرت کی دل کا چارا معلوم ہو رہے گا

مطلب نہیں ہی شکوہ اِن بی مروّتوں کا حسرت مجھے ہی رونا اس دل کی حسرتوں کا
ہر اشک ہی وہ قاصد ہی جسکے پاس دفتر تیری شکایتوں کا میری حکایتوں کا

گاہ وعدہ وصل کا ہی گاہ عزمِ قتل ہے
آہ وہ ظالم قیامت ذوفنوں پیدا ہوا

آہ ملکِ عشق کی کیسی ہوا ناساز ہے
خود بخود دل ہین مرے دردِ دل پیدا ہوا

یاس کے باعث تمنا سے اوٹھایا ہمنے ہاتھ
تو سمجھتا ہی اسے صبر و سکوں پیدا ہوا

داغ کا ای سینہ تو روشن کرے ہی کیا چراغ
کب دلِ گم گشتۂ زلف آہ یوں پیدا ہوا

دیکھیے کس طرح سی حسرت ہو جینے کی طرح
سب یہ کہتے ہیں مرض اسکو زبوں پیدا ہوا

کل مجھے اوس شوخ سی جو درد کا اظہار تھا
کیا کہوں گریہ کناں ہر یک پسِ دیوار تھا

دل جگر سینہ نگاہ و چشم و ابرو سے ترے
جسکو دیکھا سو نئی ہی شکل سے افگار تھا

تیر سے تیرے لیا بوسہ تمنا نے مری
بر لبِ زخمِ جگر اوس کا لبِ سوفار تھا

کیوں کیا منع اوسکو میرے قتل سی اے دوستو
اوس سپاہی زادے کا میرے پہ پہلا وار تھا

داغ میں اتنی سرایت ہو زیادہ گر نہو
جب قدم سینہ پہ رکھا بس جگر کے پار تھا

عشق کا وادی نہ دیکھا آہ میں کم از عدم
جس کا سبزہ دود خیز اور ابر آتش بار تھا

بارے میرے باعث اوسکو مشغلہ پیدا ہوا
ورنہ مدت سے یہ چرخِ کینہ جو بیکار تھا

جس نے لطف اوسکا کہا میں وہیں لا رو کہ آہ
پہلے میر ابھی اسی صورت سی ظالم یار تھا

پھر چمن میں جلوہ فرما گل کی کچھ دیکھے سے سیر
دیدۂ بلبل میں ہر اک گل برنگِ خار تھا

دل نے خوباں کی ہوس میں جان دی آخر دریغ
بت پرستی کا کچھ اس کافر کے تئیں آزار تھا

غیر کے بس روبرو ہوتے ہی وہ تیور نہیں
ٹک ادھر تو دیکھو پیارے ہم سے کیا اقرار تھا

آشنائی سی ہزاروں بار ہم آتے ہیں یوں
ایک باری تو جو آیا بے طلب کیا ہوگیا

بعد مرنے کے مرے اکر لگا وہ پوچھنے
یاں جو رہتا تھا میاں اک جاں بلب کیا ہوگیا

کس گھڑی دل شعلہ رویوں سی لگا کیا جانیے
آہ سینے میں لگی آتش یہ کب کیا ہوگیا

عاشقی میں تو نے حسرت خود کو جو کھویا ہی یوں
کیا خرابی کی ترا نام و نسب کیا ہوگیا

سہوًا قلم سے شکوہ جو تیرا رقم ہوا
ووہیں زبان چاک ہوئی سر قلم ہوا

اے باغباں ستانہ ہمیں کیا ستم ہوا
گروا چمن میں غنچۂ دل کوئی دم ہوا

اک گھونٹ بھی گلے سے اوترتا نہیں تلے
ساقی ہمیں تو اس کے بنا جام جم ہوا

طوفان میرے رونے سے آیا کہ چرخ پر
خونِ جگر سے دیدۂ خورشید نم ہوا

پھر آج بیطرح سے تڑپتا ہی دل مرا
مین جانتا ہون درد مرے دل سی کم ہوا

اتنا بھی کب روا ہے ستم مجھ غریب پر
عاشق کوئی ہوا تو میاں کیا ستم ہوا

حسرت نے تیرے ہجر میں رو رو کی جان دی
بی رحم اوسکے مرنے کا تجھکو بھی غم ہوا

موسم گل میں کئی دن جوشِ خوں پیدا ہوا
رفتہ رفتہ پھر تو اک خاصہ جنوں پیدا ہوا

سر اوٹھا دیں کیونکہ عاشق زانوی اندوہ سے
بید مجنوں پھر چمن میں سرنگوں پیدا ہوا

جب سے چھینا مسکرا کر دل مرا اوس شوخ نے
اک نیا تسخیر کو دل کی فسوں پیدا ہوا

کوئی صورت غم زدوں کی قتل ہونیکی نہ تھی
بے کسوں پر تیغ زن یہ چرخ دوں پیدا ہوا

رواجِ بیوفائی اس لئے ہے اہل عالم میں
کہ سستی عہد کی میرے لئے بھی ہو شعار اوس کا

نہیں جو حسن کرتا خوبرویوں سی وفاداری
سو کب یہاں ہو عاشق ساتھ اک دم پائدار اوس کا

چمن میں گل کو ہوا اک آن میں پژمردگی حاصل
نہ دیکھی رنگ جو ٹک ٹک بلبل نالاں و زار اوس کا

وفائی عمر ہے معلوم اور اوسکو عمر کہتے ہیں
اسیکے وضع پر کیونکر نہ ہووے پھر مدار اوس کا

دلِ عاشق کا جب ہووے بیوفائی شیوہ عاشق سے
تو وہ معشوق ہی یارو یہی ہی کاروبار اوس کا

دکھاتا نہیں وہ خورشید اسلئے مجھکو جمال اپنا
کہ جوں شبنم نہو جاؤں فنا ہو کر دچار اوس کا

نہیں آتا اوٹھانے ذبح کر کر مجھکو اس خاطر
تڑپتا ہی رہے جو روزِ محشر تک شکار اوس کا

گنوں وہ ساعتیں جو انتظار اوسکی میں گذری ہیں
تو کچھ ریگِ بیاباں سی بھی ہو افزوں شمار اوس کا

گیا جوں چشمِ نرگس نور ان آنکھوں کا حیرت سے
ولے دیدار آنکھوں نی نہ دیکھا ایکبار اوس کا

توقع تھی وہ گل دیگا طراوت چشم کو میری
سو لب پر ہر مژہ سی چشم میں چبھتا ہی خار اوس کا

گرا دل ہوکی ٹکڑے چشم سی اس جیب میں میرے
ہوا حاصل نہ پر اس کی نصیبوں میں کنار اوس کا

تسلی وصل کی مژدہ کی جنکو دے رہا تھا میں
جو اوسنے ہجر میں رکھا تو حسرت اختیار اوس کا

ناخوشی کا تیری خاطر کو سبب کیا ہو گیا
آگے کیوں ملتا تھا مجھسے یار اب کیا ہو گیا

قہر تو مجھپر نکر شاہوں سی ملتے ہیں گدا
میں اگر عاشق ہوا تجھپر غضب کیا ہو گیا

میرا جینا ہی تعجب تھا تری فرقت کی بیچ
مر گیا جو تجھ بنا میں تو عجب کیا ہو گیا

تو ارادہ دست بوسی کا دمِ بسمل نکر
ای مرے خوں کہہ تو اب تیرا ادب کیا ہو گیا

تری آنکھوں نی جادو کرکے وحشی کر دیا ظالم
تو ہی کہہ ورنہ ایسا ہی مجھے دیوانہ دیکھا تھا

کسی سے وعدہ کرکے ان کا دو دن میں کوئی آدے
قیامت پر کبھی مین وعدۂ فردا نہ دیکھا تھا

جو کہتا ہوں ترے دیکھے سی بیتابی ہوئی دل کو
تو کہتا ہی کہ اپنے دل کو جا سمجھا نہ دیکھا تھا

چلے ہم تو پر اپنا نقش دل میں کر چلے تیرے
کہے گا جی میں تو حسرت سا بھی شیدا نہ دیکھا تھا

گیا جو اوسکے کوچے مین سو دل یا جان کھو آیا
مرے تو سامنے قاصد کہے مین واں سی ہو آیا

نہ ٹھہرا بیوفائی کے سبب سینہ میں اک دم بھی
کماں خانے سے اوس ابرو کی دل پر تیر جو آیا

بہا ای شمع تربت پر مری آنسو کہ شہرہ ہو
کسی کی خاک پر اک خوبرو جا خوب رو آیا

سمجھ لے ابر سے ای لالہ تو کل باغ میں رو رو
لب جو بیٹھکر میں داغ اپنی دل کے دھو آیا

ڈراتے ہو ہمیں دل چھین لینے سے سو یاں کیا ہی
مرا تم کیا کروگے ای میاں حاضر ہوں لو آیا

نہ دل آیا نہ دلبر ہی مری خاطر تسلی کو
کوئی کہتا ہی یہ آیا کوئی کہتا ہے وہ آیا

مرا دل دھک سی ہو جاتا ہی بس سنتے ہی ہی ظالم
جو کوئی کہتا ہی مجھسے صلح پر وہ جنگجو آیا

کہاں وہ دل کہاں وہ ہم کہاں وہ آرزو حسرت
ملا جب خاک میں سب تو کیا حاصل کہ وہ آیا

قیامت کو نہو مرنا جو ایدھر ہو گذارا وسکا
کرے ہی صبح محشر مدتوں سی انتظار اوس کا

قرار آسماں کم ہی چلے ہے مختلف چالیں
کہ تا اک روز تا اک شب نہو پورا قرار اوس کا

زمانہ بھی نہیں اک رنگ پر اوس عہد کی خاطر
کہ نیرنگی سی اوس کی تا نجاوی اعتبار اوس کا

تو نی تو حسرت اپنی غزل مین سحر کہ بڑا ہی کام کیا

بھلایا عشق کی وحشت نے جو دیکھا نہ دیکھا تھا
سبھی آبادیاں دیکھی تھیں اک صحرا نہ دیکھا تھا

کیا ہی مجھکو دیوانہ ہوا ہوں سب سی بیگانہ
ستم اس عشق کا دیکھا تھا پر ایسا نہ دیکھا تھا

ہوا معلوم سب احوال عاشق کی دل و جاں کا
سنا کرتا تھا مین پر ابتلک شیدا نہ دیکھا تھا

خدا جانی کہاں تھی عقل جب مین دل دیا اوسکو
کسی نی ورنہ میرا کام تو بیجا نہ دیکھا تھا

کہی ہی ہر کوئی کیا ہوویگا اب تجھکو دیوانے
کبھی یوں ہم نی تجھکو خوار اور رسوا نہ دیکھا تھا

ہمیشہ ہمنشیں دو چار اپنے ساتھ رہتے تھے
کسی نی سر بصحرا مجھکو یوں تنہا نہ دیکھا تھا

مجھے اب دیکھ کر کہتے ہیں یوں سب یار آپسمیں
اسے ہم نی کبھی غمگیں نہ دیکھا تھا نہ دیکھا تھا

قسم کھاتی تھے ایماں کی مرے دیندار سب ملکر
کسی نی تو جسے بت مجھکو جوں ترسا نہ دیکھا تھا

یہی کہتا ہوں ہر دم ہاتھ اپنی ہائے مل مل کر
ترا کیوں جلوہ ان آنکھوں نے بھی اے جان نہ دیکھا تھا

بدن پر داغ ہیں مژگاں پہ ہیں لخت جگر دیکھو
کوئی نخل چمن یوں پھولتا پھلتا نہ دیکھا تھا

کہی ہی چشم سی دل تو نی لاکھوں رنگ دکھلائے
ولے یہ قہر تو اے دیدۂ بینا نہ دیکھا تھا

تجھے اک دیکھتے ہی ہو گیا ہی بسمل اے قاتل
بتا ٹک تو نی بھی دیکھا تھا اوسکو یا نہ دیکھا تھا

کہے گا اور کیا برباد رکھی گا کہ مین نے بھی
تصدق شمع پر ہوتے کبھی پروانہ دیکھا تھا

بلا و فتنہ آئے تھی نظر مجھکو زمانے میں
ولیکن یہ قیامت مین قد و بالا نہ دیکھا تھا

کری ہے دوستی میں جب سے تو بیرحمیاں ہم سے
یہ پتھر دل کبھی ہم نے تو دشمن کا نہ دیکھا تھا

خدا جانے کہ دل لیتی ہی اب کیا ہو گیا تجھکو
وگرنہ اسقدر بیرحم دل تیرا نہ دیکھا تھا

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہی اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

نکلنے سی کمی جی نے کی تھی اوسکے آنے تک
وفا کی عمر نے ورنہ بڑا الزام آیا تھا

نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سُنانے شام آیا تھا

اجل منت تری کیا ہی وہ ابر جب سے دیکھے تھے
اوسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا

وفا سمجھا تھا میں یہ دل کو لیتے ہی وہ ٹھیرا
جو دیکھا تو غرض کو اپنی وہ خود کام آیا تھا

ہوا لبریز جام زندگی جسوقت ای حسرت
دریغ اوسوقت میں ساقی پلانے جام آیا تھا

راہ بھلا ہمکو بہکایا عقل نے یہ کیا کام کیا
پہونچے وہ جو منزل پہ اونھوں نے کب کا جا آرام کیا

باغ میں جاکر تونے ظالم حسن سے قد اور عارض کے
گل و بلبل سرو اور قمری سب کا کام تمام کیا

گل چھوٹا گلزار چھٹا گھر بار چھٹا اور ہم سے وطن
تجھکو ملا صیاد سو کیا آباد جو تونے دام کیا

دل اور ایمان جاوے اون جاویں کہ رہیں کچھ بات نہیں
جب سے کہ دیکھی تیری صورت سبکے تئیں میں سلام کیا

لیلی و مجنوں بندے ہیں تیرے چاکر ہیں محمود ایاز
عاشق اور معشوق کو تونے ایک نگہ میں غلام کیا

گاہ سفیدی بخت کی دیکھی چشم کی گاہی تاریکی
شام کو یوں میں صبح کیا صبح کو میں یوں شام کیا

ناز و کرشمہ حسن و ادا سب جنکی وہ رکھتا تھا سپاہ
انپر وہ گھر سے جس گھڑی نکلا یا کہ گلی میں خرام کیا

کام و زباں سے گوش و صدا سے اب تک وہ آگاہ نہیں
راز نہاں کو میرے عزیزو کسنے جہاں میں عام کیا

کافر و مومن گبر و مسلماں کلمہ پڑھیں ہیں اوس بت کا
اوسنے نگاہوں سحر کیا کیا جس سے کہ سبکو رام کیا

لطف و محبت مہر و مروت خوبی ہی اوس ظالم میں
اوسکے تغافل نے عالم میں لیکن اوسے بدنام کیا

قایم و سودا درد یقین میر انکی غزل ہی خوب ولے

لخت دل آنے لگے اب اشک گلگوں ہو چکا
رحم اے آنکھو کہ جتنا تن میں تھا خوں ہو چکا

اشک خونی سے مرے اک پرزے پر خط کھینچ کر
بھیج دو اوسکو یہی نامہ کا مضموں ہو چکا

ناصحا تدبیر پیش از فتنہ لازم تھی تجھے
کیوں کہ سمجھاوں اسے اب دل تو مفتوں ہو چکا

توہی کر انصاف کوئی کچھ نہ بولے تا بکے
جور و ظلم اس خستہ دل پر حد سے افزوں ہو چکا

حسرت اب دیوانگی تیری ہی کا ہے دور دور
دن گئے فرہاد کے اور دور مجنوں ہو چکا

تلف ہونا تھا جی کھونا تھا گھر اپنا ڈبونا تھا
دلا سب تجھے بھی کرنا تھا اک عاشق نہ ہونا تھا

کہیں ہے گل کہیں شبنم باغ میں دونوں تھے ہم لیکن
تری قسمت میں ہنسنا تھا مری قسمت میں رونا تھا

کہاں ہونٹھوں میں ہیں کل اونسے کچھ پر دل لیا کیا تھا
فسوں تھا سحر تھا اعجاز تھا جادو تھا ٹونا تھا

وہ رو دیں فرش گل کی ساتھ پہلو جنکے خوگر تھے
یہاں بنت آشیاں میں خار و خس ہی کا بچھونا تھا

میاں تم سو گئے آئے تھے شب کو نیند کے ماتے
لگی ہے چشم بد دور انکھیاں تو کس کو سونا تھا

کسی کی بیوفائی سے ہوا مسمار ہے ظالم
نہیں یہ دل بھی اقلیم وفا کا ایک کونا تھا

پھنسایا تو نے حسرت دل کو اوس چاہ زنخداں میں
مرا جی خوش ہوا ایسی ہی جا اسکو ڈبونا تھا

خدا حافظ ہے کیوں محفل میں اوسکا نام آیا تھا
تڑپنے سے ابھی دلکو مرے آرام آیا تھا

فلک ایکدم بھی تو نے تو وصل کی شب کو نہ ٹھیرایا
یہ ساری عمر میں تجھ تک ہمارا کام آیا تھا

سزاوار اسیری تھی ہوئی اے بخت ہم بارے
ابھی صیاد لیکر اسطرف کو دام آیا تھا

بن لئے جی کے نجاویگا یہ دل سے ہرگز
گھر کیا غم نے مرے سینۂ سوزان میں آ

طاقتِ صبر نہیں نامہ بر اب اس سی بہت
کیا جواب اوسنے دیا کہدے مرے کان میں آ

برگِ گل جیسی طرح چشمہ میں ہوتے ہیں رواں
لختِ دل ہنے لگے دیدۂ گریان میں آ

کہہ رہا میں مرے کہنے کو نہ مانا دل نے
آخر آشفتہ ہوا زلفِ پریشان میں آ

تجھ بنا زیست ہی مشکل مجھے اے یوسفِ وقت
گاہی گاہے تو میرے کلبۂ احزان میں آ

آس ہی آنے کی کس کے جو رہا ہے باقی
جوں حباب ایک نفس دیدۂ حیران میں آ

بیچھے شمشیر و سپر کیا تو بتاتا ہے رقیب
گر ارادہ ہی تجھے جنگ کی میدان میں آ

غیر حسرت نہیں یاں کوئی یہ ہے کلمۂ حق
جلوہ گر آپ ہوا صورتِ انسان میں آ

تو نے جو منہ سے کہا میں نے سُنا اور سُنا
پر مرا بخشیو اسے یار کہا اور سُنا

منع جب کرتے تھے ہم تب تو نہ مانا اے دل
اب پشیمان ہی کیوں غم اوسے جا اور سُنا

میں نہ مانوں کہ مرا حال زبانی تو کہے
قاصدا لاف نکر تو نے کہا اور سُنا

جور و ظلم اوسکے تو سب سہے ہی پر اے دل تو نے
اوس ستمگار کے جورونکا مزا اور سُنا

ق
کل کسی نے جو کہا مرتا ہی عاشق تیرا
ہنس کے غیروں کی طرف کہنی لگا اور سُنا

کہہ تو حسرت کہ تری جان یہ کیا حالت ہی
ہر گھڑی ہمنے تیرا درد نیا اور سنا

کل جو مل آئے تھے تجھسے تو سنا تھا کچھ اور
آج عالم سے میاں حال تیرا اور سنا

بالیں سی میرے اوٹھ کہین جلد ہی اِی طبیب
عیسیٰ سے بہ نہو یہ مرض اور دوا تو کیا

احوال میرا دیکھ کے کہتا ہے ہر کوئی
اوس کو نہیں اجل بھی عزیز و شفا تو کیا

وہ سنگدل ہی تو کہ تجھے رحم ہی نہیں
دشنام بھی نہ دے کبھی مُنہ سے دعا تو کیا

پتھر ہے ایک اوسکا ہی دل ورنہ دوستو
بیگانی مجھپہ روتے ہیں سب آشنا تو کیا

تمکو کسی کے مرنے کا غم کب ہوا اے بتاں
جیتے رہو جہان میں تم مین موا تو کیا

حسرت مجھی یقین ہے، وہ یاں سے جائے گا
اِک آن اور بھی مین جہاں میں جیا تو کیا

کہنا بُرا کسی کو پیارے نہ تھا بھلا
لیکن تمھارے بس میں ہوں کہہ لو بُرا بھلا

گو نیکی کی جہاں میں بُرائی کسی نے کی
آخر مآل کار بھلے کا ہوا بھلا

اِی شاہِ حُسن ہم سے گدا کو جو خوش کرے
دنیا مین اور دین میں ہووے ترا بھلا

ق

اِک روز مشفقوں نی مرے اوس سی جا کہا
حسرت بھی تھا کبھی تو ترا آشنا بھلا

اب اوس کو چھوڑ غیروں سی کرتا ہی اختلاط
اتنا بھی تو میاں نہیں جور و جفا بھلا

آخر تو تو چلا ہی کسی پاس راہ میں
اوس کو بھی دیکھنے کو چل اِی بیوفا بھلا

ورنہ ترے فراق سے وہ بیکس و غریب
رو رو کے جان دیوے تو کیا ہو ترا بھلا

کہنے لگا کہ میری بلا سے اگر مرے
ایسا دوانہ وحشی عزیز و مُوا بھلا

وائے قسمت کہ پھنسے گوشۂ زندان مین آ
گل نی جب جوش کیا بزم گلستان مین آ

آہ کے شعلے اوٹھیں کیوں نہ مری سینے سے
عشق نی آگ لگائی ہی مری جان مین آ

کیا اسکو ہو گیا جو یہ ایسا اُچھٹ گیا

دل اوس کی سیہ زلف کا مارا نہ جیئے گا　　افعی جو ڈسے کچھ نہیں چارا نہ جیئے گا
جو دم کہ میں جیتا ہوں غنیمت ہی مرے جان　　جو کوئی موا پھر وہ دوبارا نہ جیئے گا
بوسہ جسے دے لب کا وہ ہرگز نہ مرے گا　　ابرو سے کیا جسکو اشارا نہ جیئے گا
بدحال مجھے دیکھ شگوں لینے گئے یار　　افسوس کسی نے یہ پکارا نہ جیئے گا
وہ ماہ خفا مجھسے ہی میں کیونکہ جیوں گا　　جس شخص کا پھر جائے ستارا نہ جیئے گا

ڈھارس جو مجھے یار بندھاتی ہیں عبث ہے
حسرت جو کوئی جینے سے ہارا نہ جیئے گا

غیر کو عید کے دن تونے ہم آغوش کیا　　سال بھر رشک سے میں خونِ جگر نوش کیا
چشم ہی تیری صنم یا ہے کوئی جادوگر　　جس نے اِک جام سے اِک خلق کو مدہوش کیا
بسکہ ہی غم کے سبب لاغری و ضعف کمال　　جس نے دیکھا مجھے مجنوں کو فراموش کیا
یارو کوئی دن میں مگر فصلِ بہار آتی ہے　　کیونکہ سودا نے مرے دل تئیں پھر اب جوش کیا
روزنِ در سے میں دیکھا کہ صدا اُسکے مری　　شمع محفل کے تئیں آپ نے خاموش کیا
جس سے ہم بزم و ہم آغوش تھے تم اے مشفق　　سچ ہی بتلائیے کیدھر اوسے روپوش کیا

ہم نہ کہتے تھے کہ حسرت تو نہ مل خوباں سے
تونے دیوانے کسی کا بھی سخن گوش کیا

اتنا ستم نکر کوئی عاشق ہوا تو کیا　　ظالم بتا گناہ مرا دل دیا تو کیا

ہوا گل پانی پانی دیکھ اے رشکِ چمن تجھکو
نہیں شبنم عرق ہے گل کے چہرے پر ندامت کا

مجھے ہے نزع اوس بن اور تو باتیں بناتا ہے
بھلا یہ بھی کوئی ہنگام ہے ناصح ملامت کا

رمق بھی جی نہ تھا باقی کہ آیا یار بالیں پر
عزیزو حال مت پوچھو مرے طالع کی شامت کا

مجھے کہتے ہو جا اور کل کو آیوں پر تلطف ہے
یو نہیں لازم ہے مشفق خوب حق تو جھا قدامت کا

ترے لب کے ہلانے سے جو پیارے جی نہ اوٹھتا میں
نہوتا معتقد ہرگز مسیحا کی کرامت کا

جہاں تک مذہب و ملت ہے سبکی راہ میں ڈر ہے
مگر اک مشربِ رندی ہیں کوچہ ہے سلامت کا

جہاں کے لوگ جو ہیں سو سبھی نخلِ لبِ جو ہیں
کھڑے ہیں پر بھروسا نہیں کسیکے استقامت کا

ہمیشہ پیشوا رندونکا ہے پیرِ مغاں حسرت
نہیں زنہار لازم شیخ کو دعویٰ امامت کا

دل چھن گیا کہ آہ کلیجا بھی کٹ گیا
برچھی نگہ کی لگتے ہی بس دم اولٹ گیا

جو تیغ اوس نے مجھکو لگائی سو غیر کو
جتنا بڑھا تھا دل میرا اوتنا ہی گھٹ گیا

مدّت کے بعد یار جو آیا سفر سے کل
آگے بڑھا میں ملنے کو پیچھے وہ ہٹ گیا

نٹ بازی تو کرے ہے سو ہم جانتے ہیں جان
آنے کا وعدہ کرکے اوسی دم پلٹ گیا

ناز و ادا و غمزہ و ابرو و مژہ نگاہ
کس کس کے سامنے ہو مرا دل تو بٹ گیا

آہ اے خزاں تو باد ہے یا تیغِ آبدار
گلشن میں ہر شجر ترے آتے ہی چھٹ گیا

کتنا ہی یار تو تو جھٹکتا رہا اوسے
دامن سے پر غبار ہمارا لپٹ گیا

حسرت نہ باغ دلکو خوش آوے نہ کوہ و دشت

وعدہ کیا تو تھا کہ میں آؤنگا کل کے دن
آیا نہ وہ تو آج کا دن ہی گذر گیا

حسرت کا حال پوچھے اگر یار اے صبا
کہیو کہ دردِ ہجر سے رو رو کے مر گیا

ہرگز نہیں دلدار مرا یار کسی کا
غم دے کے وہ ہوتا نہیں غمخوار کسی کا

نیرنگ تو اوس کا نہیں آتا ہے بیاں میں
دلدار کسی کا ہے دل آزار کسی کا

اس رونے پہ اے ابر تو کیوں بہکا ہے اتنا
دیکھا نہیں کیا دیدۂ خوں بار کسی کا

گر جاوے تو اے بادِ صبا پاس کسی کے
کر دیجیو احوال ٹک اظہار کسی کا

اے نالہ ٹک ایک گرم یہاں سی تو گذر تو
یہ سینۂ پر داغ ہے گلزار کسی کا

حسرت کی یہی تجھ سے سدا عرض ہے یارب
مت کیجیو دل اس کا گرفتار کسی کا

محرّر نے ازل کے صفحۂ تقدیر پر لکھا
نہیں لکھنا تھا خوں عاشق کا بے تقصیر پر لکھا

زبس تشبیہ تھی صورت کو میری نامِ مجنوں سے
مصوّر نے مرا نام اس لئے تصویر پر لکھا

ہوا تو یاں تلک مشہور خونریزوں میں اے ظالم
کہ سب نے نام جسکے واسطے شمشیر پر لکھا

عزیزو اپنے خط میں حال میرا اوسکو لکھ بھیجو
جوابِ نامہ کب اوسنے مری تحریر پر لکھا

ملے اب بند آہن کس طرح تقدیر نے حسرت
ہمارا قید ہونا زلف کی زنجیر پر لکھا

بیاں کیا کیجے اوس سرو رواں کے قد و قامت کا
بلا ہے آفت جاں ہے نمونہ ہے قیامت کا

گر ایک بوسہ تونے دیا اپنے لب کی خیر
ہم ہیں گدا پیارے تو ہے شاہ کیا ہوا
جینے سے دل تنگ ہی لیجا تو جی کو ساتھ
اے آہ تجھکو نالۂ جانکاہ کیا ہوا

حسرت یہ آہ مرتے ہوے دِل میں رہ نہ جائے
ٹک دیکھا وسکو تو کہ وہ دلخواہ کیا ہوا

کوئی اپنا نہ آشنا دیکھا
جسکو دیکھا سو بیوفا دیکھا
ایک نے بھی نہ کی وفا ہم سے
ہم نے کِتنوں سے دِل لگا دیکھا
کوئی دم عشق میں نہ خوش گذرا
دن بدن درد و غم سوا دیکھا
یار ہے دُکھ میں یار ہے غم میں
ہم نے دنیا میں آکے کیا دیکھا
جی ہی جاتا ہی عشق میں آخر
سخت اس کام کو بُرا دیکھا
بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اوسے
ہم نے سو سو طرح بُھلا دیکھا
کل گئے پاس ہم جو حسرت کے
ق
کیا اُنھیں سخت ماجرا دیکھا

راہ میں سنتے تھے کہ ہے بیمار
گھر جو پہونچے اوسے موا دیکھا

دِل نااُمید اب کے ترے در سے گر گیا
سُن لیجیو کہ جان سے اپنی گذر گیا
مُدّت ہوئی کہ دلکی خبر کچھ نہیں ملی
کیا جانے وہ جنون کا مارا کدھر گیا
ہم اپنے جی سے گذرے نہ آیا وہ اسطرف
اتنا ہماری آہ سے یارب اثر گیا
تشریف کس کی بزم میں رکھتے تھے رات آپ
اے مہرباں سراغ کو میں دربدر گیا

روتی ہی اوسکو گذرے ہی ہجر میں تیرے رات دن
حال میں کیا بیاں کروں حسرتِ بیقرار کا

اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا
کاہیکو تو جئے گا کاہیکو جی رہے گا

جاتی رہی بصارت آنکھوں سی روتے روتے
رونا بھی مجھسے یارب ایکدم کبھی رہے گا

یکجا رہیں گے دونوں یہ تو کبھی نہ ہووے
یا میں ہی یاں رہونگا یا غیر ہی رہے گا

رہنے دے مجکو ساقی ہمتو چلے یہاں سے
قسمت میں جسکی ہوگا سو جام پی رہے گا

حسرت اگر جنوں ہے تو چاک کر گریباں
ناصح کو گر ہے سینا تو پھر بھی سی رہے گا

تو اے حسرت کسی سی حال اپنے دل کا مت کہنا
مزا ہی جوں غنچۂ ن جگر کو پی کے چپ رہنا

ہمارا رازِ پنہاں اب نہو جاوی کہیں افشا
خدا کیواسطے اے آنسوؤ آنکھوں سے مت بہنا

زیادہ اس سی ہوگی بیکسی کیا غیر سے ظالم
جو کچھ آوی ترے دلمیں تجھے کہنا مجھے سہنا

ڈہا جاتا ہی دل آگے ہی پھر تو کیونکہ جیویگا
یکایک اے بلائے ہجر اسکے سر پہ مت ڈھہنا

عجب ہی حال میرا جو کوئی کچھ بات پوچھی ہے
تو رونا زار حسرت اور اوسکی منہ کو تک رہنا

کس کی نگہہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا
تڑپے ہی دل مرا اسے اللہ کیا ہوا

کوئی دم کی بات ہی کہ یہ تھا بیقرار دل
کیا آفت اسپہ آگئی اللہ کیا ہوا

کہتا تو تھا چلونگا میں ہمراہ نعش کے
اب کیوں نہیں ہی آہ وہ ہمراہ کیا ہوا

کرتی ہی سیلِ اشک تو اپنا ہی گھر خراب
مت جان چشم و دل کو در و بام اور کا

جوں بالِ مرغ لے کوئی بالش کے واسطے
ایذا مری ہی باعثِ آرام اور کا

قسمت کی بات کیا کہیں حسرتؔ کہ اوسکا خلق
آغاز مجھسے تھا ہوا انجام اور کا

پوچھ مژگاں سی دل افگار ہوں کن کا ان کا
خستہ و زخمی و سرشار ہوں کن کا ان کا

نقصِ جاں دید میں خوبانکی سراسر ہی ولے
اسپہ بھی طالبِ دیدار ہوں کن کا ان کا

یاں تو کیا حشر کے بازار میں پیاری یہ کیوں
خوبرویوں میں خریدار ہوں کن کا ان کا

گر کریں مجھ پہ بتاں ظلم تو بلوا نہ کرو
دیندار و میں گنہگار ہوں کن کا ان کا

حسرتؔ آئے تھے یہ خونخوار جو تلوار لئے
ق مبتلا اندنوں ای یار ہوں کن کا ان کا

کن کا بسمل ہوں انہیں کی مژۂ خونی کا
کشتۂ ابروے خم دار ہوں کن کا ان کا

زخمیِ بیشمار ہے تیغِ جفاے یار کا
کس سی کہوں ہیں جا کی آہ حالِ دلِ فگار کا

خستہ دلوں کا خون دل ہووے تو ہی بجاے مَی
پر تو سمجھ کے پیجیو ڈر ہی مجھے خمار کا

خانۂ دل کو ڈھاہ کر سیل میں لے بہا دیا
خانہ خراب ہوجیو دیدۂ اشکبار کا

ساتھ نہیں وہ گلعذار خاک کریں چمن کی سیر
کسکو خوش آئے اوس بنا دیدِ گل و بہار کا

گر ادھر آئے تو ایک صیدِ ضعیف یاں بھی ہی
ہمنے سنا ہی تجھکو ہی شوق بہت شکار کا

یار سی دوریوں ہیں پھینک دیا ہے ہی غضب
ہمنے کیا تھا کیا گناہ گردشِ روزگار کا

پھر ادھر قتل کو آنکھوں نسے اشارا نہ کیا
نیم بسمل ہی رکھا کام ہمارا نہ کیا

ساتھ پھرتا ہے مرا ماہ بداطوار ونکے
ای فلک نیک مرا تو نے ستارا نہ کیا

وصل گل کا تجھے نالوں نسے ملا اے بلبل
بھولا جو ساتھ ترے مین بھی پکارا نہ کیا

بوسۂ لب دل بیمار کی قسمت نہ ہوا
درد کا میرے مسیحا نے بھی چارا نہ کیا

شعلۂ شمع پہ تو جل ہی گیا پروانے
آگ جلتی مین گرا ہائے کنارا نہ کیا

کشور دل ہی عجب جس مین بجز لشکر غم
عیش و عشرت نے کبھی اپنا گذارا نہ کیا

کر گیا ایک نگہ پھر کے نہ دیکھا ادھر
ساقیا جام کا پھر دور دوبارا نہ کیا

صبح کو تو جو لب بام پہ آیا اے مہر
کیا کہوں آہ مین کس کس نے نظارا نہ کیا

دیکھ لیتا کوئی دم مین کبھی تجھے بھر کے نگاہ
سامنے ہوتی کا پر دل ہی نی یارا نہ کیا

تشنہ لب عشق مین دنیا سی گیا ای حسرت
آب خنجر کے تئیں جس نے گوارا نہ کیا

مثل نگیں ہے کام مرا کام اور کا
مجھکو ملا جو نام سو ہے نام اور کا

جوں مہر و ماہ گردش گردوں سی دہر میں
اب دور صبح اور کا ہی شام اور کا

پھر نقش پا کا مجھکو سراغ اوس گلی میں ہی
یعنی نہ آ پھرا ہو یہاں گام اور کا

مانند شیشہ خالی کریں اپنے دل کو ہم
تب ساقیا بھرے ہی کہیں جام اور کا

مین شکوہ اوس سی کیا کروں یارو کہ بے غرض
کب آشنا ہی وہ بت خود کام اور کا

ای ہمنشیں اوس کی تو یہ گفت گو نہیں
لایا ہی میرے پاس تو پیغام اور کا

دلمیں سو بات تھی پر اُسنے جو پوچھا احوال
مجھسے کچھ درد کا اظہار ہوا کچھ نہ ہوا

اِک نگہ بھی اوسے دیکھا نہیں عاشق ہو کر
مُفت میں مین تو گنہگار رہا کچھ نہ ہوا

یان تلک اوسکو وفادار کیا ہمنے کہ آہ
ایک عالم کا وہ دلدار ہوا کچھ نہ ہوا

دیکھیو بخت کی خوبی کہ ملا ہمکو قفس
اور جُدا یوں گُل و گلزار ہوا کچھ نہ ہوا

کاش کہ عشق جتاتا نہ مین اوسکو حسرت
میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

مجھے ٹک سانس بھی یہ درد غم لینے نہیں دیتا
عجب کچھ درد ہی دل میں کہ دم لینے نہیں دیتا

لکھوں جب تجھکو خط تب ڈر سی میرا ہاتھ کانپے ہے
ترا ڈر ہاتھ میں مجھکو قلم لینے نہیں دیتا

رکھے ہی تیغ پر وہ ہاتھ اور یہ منع کرتا ہے
ہماری قتل کی دشمن قسم لینے نہیں دیتا

اجل سو بار آئی رنج میرا دور کرنے کو
ولے احساں مجھے تیرا کرم لینے نہیں دیتا

چلا وہ شوخ عینِ شدتِ گریہ میں رخصت ہو
مری آنکھوں سی ٹک اشکوں کو تھم لینے نہیں دیتا

تمنا خاک کو میری قدمبوسی کی ہے لیکن
چلے ہی بچ کے وہ ظالم قدم لینے نہیں دیتا

دل بیتاب خجل ہو جاوی یا سینے سی گم ہووے
مجھے ٹک چین یہ چھاتی کا جم لینے نہیں دیتا

کروں اللہ کو جب یاد اوسکو رحم آتا ہے
خدا کا نام ہی مجھکو صنم لینے نہیں دیتا

نرکھ تو ہاتھ حسرت دِل پہ اوس مژگانکو لینے دے
چھپاتا ہی دل اوس سی ہے ستم لینے نہیں دیتا

کونسا رنج فلک ہمنے گوارا نہ کیا
شہرہ مجنوں کو دیا نام ہمارا نہ کیا

فلک نے زیر زمیں بھی بشکلِ خانۂ مور
دیا نہ رہنے کو ایک مختصر مکان جدا

یہ کیسی آگ ہے فرقت کی جس سے شام و سحر
جلے ہے مغز جدا اور استخوان جدا

فقط جرس کی تو دل ہی سے نالہ نکلے ہے
کرے ہے نالہ مرا دل جدا زبان جدا

اجل نہ کہیئے ترے ہجر کو تو کیا کہیئے
کہ آہ جسم سے میرے کرے ہے جان جدا

یہ کیا ستم ہے کہ برسوں ہوئے نہیں ملتا
وہ شخص جو کہ نہ ہوتا تھا ایک آن جدا

نہ کوئی مجھسے ملے ہے نہ میں کسی سے ملوں
تری سبب سے ہوں عالم کے درمیان جدا

نہ کہیئے کوہ کنی ہمکو کوہ کن کی طرح
ہماری عشق کا ہے جان امتحان جدا

بہار غم سے ہے دل اور چشم پرخوں کی
ہماری باغ کا آتا ہے باغبان جدا

بتوں کی ابرو و مژگاں کا جور مت پوچھو
لگے ہیں گھاؤ ہر اک کے ہر ایک آن جدا

کمان و تیر کا ہوتا ہے ملکے وار سو یاں
کرے ہے زخمی جدا تیر اور کمان جدا

شبِ وصال بھی حسرت کی خلل ہی ہیں آج
رقیب جاگیں جدا اور پاسبان جدا

عشق کا پھر مجھے آزار ہوا کچھ نہ ہوا
دل محبت میں گرفتار ہوا کچھ نہ ہوا

اتنا رسوا یہ دلِ زار ہوا کچھ نہ ہوا
پہ کبھی یہ عشق سے بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

نہ فلک سے بھی ادھر آہ و فغاں جا پہونچی
پہ کبھی وہ شوخ خبردار ہوا کچھ نہ ہوا

اشک تو بہتے ہیں گر لختِ دل آ کر نہ کوئی
نوکِ مژگاں پہ نمودار ہوا کچھ نہ ہوا

کاش اے آفتِ جاں تجھکو نہ دیکھا ہوتا
دیدہ کیوں طالبِ دیدار ہوا کچھ نہ ہوا

بہار آتی ہی ٹکڑے ہو گئے پیراہن گل کے
ہوا ایسی چلی تو یہ گریباں کب نظر آیا

غزل کہہ اور بھی اب اس زمیں میں تازہ ای حسرت
ہمیں معلوم ہے تیرا مزاج اب تو ادھر آیا

رقیبو نکے حوالے کرکے خط کو نامہ بر آیا
اوسیکو مین نے سمجھا آہ مرغِ نامہ بر آیا

عزیزو کیا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا
دل آیا اوسطرف سے تیر جو اس جان پر آیا

نہ آیا ہمکو یہ بھی ڈھنب جب لگ چلئی کف پا سے
غنیمت ہی حنا تجھکو جو اتنا بھی ہنر آیا

نہیں غنچوں پہ شبنم اوس دہن کی وصف نے اونکو
یہ لذت دی کہ پانی منہ مین ہر غنچے کے بھر آیا

عدم کی کیفیت مت پوچھ میخانہ ہی ایک وہ بھی
کہ وانسے جو کوئی آیا سو مست و بے خبر آیا

نہ رو ای چشم بس کر سوگواری اب تری خاطر
تسلی کو مرے سینہ سے دل آیا جگر آیا

یہ آنکھیں تو کسی کی شکل دیکھے سے ہوئیں حیراں
بھلا بتلا تو ای آئینہ تجھکو کیا نظر آیا

جو دل لینا مرا منظور تھا مین دے چکا تجھکو
کروں قربان تجھپر جان اپنی اب کدھر آیا

پیوں کب جام میٔ اغیار بھی بیٹھے ہیں محفل میں
مری آنکھوں میں اونکو دیکھتے ہی خون اوتر آیا

گیا تو دیکھا اوسکی رخ کو زلفوں میں نہ لگ جانا
ترا گھر ہی تو اس عرصے میں بھی مجھ تک اگر آیا

مثل مشہور ہی دنیا میں اے دل اسکو تو سن رکھ
نہ بھولا شام کو بھی صبح کا پھر کی جو گھر آیا

نہیں دیکھا اوسی یا اوسنے چشم قہر سے دیکھا
جو حسرت اوس گلی سے آج پھر با چشم تر آیا

اسی جہان میں رہتے ہیں ہم جہان جدا
حباب وار ہی اپنا بھی آسمان جدا

یہ گرد و خاک زیب ہی ہر خاکسار کے
کب گردِ کاروان ہو روپوشِ نقشِ پا

تیرے قدم سے جب کہ جدا ہو کے رہ گیا
مبہوت کی طرح سے نہیں ہوش نقشِ پا

کہتا ہی تو کہ نقش کو ترے جسنے غش کیا
ایک خلق رہگذر میں ہی مدہوشِ نقشِ پا

حسرت ہوا ہی خاک نشیں تو تو کچھ نہ بول
بھاتی ہی مجھکو صورتِ خاموشِ نقشِ پا

دونو جہانکی قید سے ہمنے فراغ پایا
آ نبیٹھے راہِ دوست میں اوسکا سُراغ پایا

ٹھوکر سے تیری عرش پہ پہونچا مرا دماغ
کیا ہی عجب اگر نہ بڑھاوے دماغ پا

دشمن ہماری چال پہ جلتا تو ہی ولے
کب رہ سکے ہی پر روشِ کبک زاغ پا

توسن نہ نقش کا چہ تاریک مین گر آسے
لاوے نہ راہِ راست پہ جب ہو چراغ پا

تیری گلی سے اوٹھ نہین سکتا مرا قدم
باہر چمن سی رکھ نہ سکے نخلِ باغ پا

غنچہ کے دلکو خوں کرے یہ رنگِ رو ترا
رنگِ حنا سی دیوے ہے لالہ کو داغ پا

حسرت کو رخصتانہ دی اک جام میفروش
اوسکا یہانسے اوٹھ نہ سکے بے ایاغ پا

بچا تجھکو مرضِ عشق سے ملتے حذر آیا
کہ آئینہ مین شکل اپنی جو دیکھی مجھکو ڈر آیا

نہیں معلوم یارو آج کیدھر چاند نکلا ہی
کہ سب کہتی ہین تیرا ماہ رو وہ سیمبر آیا

کشاکش اسطرف شانی کی اودھر پیچ زلفونکی
مرا یہ ناتوان دل آہ کب انسے بسر آیا

کل اوس کوچی میں جا نکلا جو مین دل ڈھونڈھنے کو
جہاں گھائل ہوا تھا مین وہی پھر رہگذر آیا

ہان بعد فنا اوڑا کے لیجاے | اِک روز صبا غبار اپنا
توآنے کویاں کے دن گنے ہے | ق ہم کرتے ہیں دم شمار اپنا
تیرا تو تب اعتبار کیجے | جب ہووے کچھ اعتبار اپنا

حسرت کو دکھادے مرتے مرتے
مُنہ آن کے ایکبار اپنا

کیون نہیں تھمتے ہیں آنسو چشم تر کو کیا ہوا | ہو گیا دریاے خوں میرے جگر کو کیا ہوا
ای فلک یہ ہجر کی شب ہی کہ روزِ وصل ہی | سو برس کی رات کی تو نے سحر کو کیا ہوا
کس کے بس میں آگیا تھا ہاے مرغِ نامہ بر | کیون اُنھوں سی تر ہیں اسکے بال و پر کو کیا ہوا
صبحدم نالے سحر کے جتنے تھے خالی گئے | ای دعاے نیم شب تیرے اثر کو کیا ہوا
کوئی پھر آتا نہیں کوی عدم سے اسطرف | کیون یہ رستا بند ہی اس رہگذر کو کیا ہوا
ایک سی ایک اس زمانے میں ہی اوس سی خوبتر | کوئی خوش آتا نہیں میری نظر کو کیا ہوا
شاید اوس کوچے میں جا کر وہ بھی کھویا گیا | بولے ہی بھکا ہوا پیغامبر کو کیا ہوا
اسقدر آوارگی کسنے سکھائی ہے تجھے | روز گھر سے اوٹھ کے جاتا ہی کدھر کو کیا ہوا
خانہ آباد اسطرف تو دیکھ کیا انصاف ہی | غیر کا گھر تجھکو بھایا میرے گھر کو کیا ہوا

داد یاں دیتا نہیں کوئی کسی کے جور کی
ہائی حسرت خوبرویوں کے نگر کو کیا ہوا

ہم مِلکے خاک میں ہوے ہمدوشِ نقشِ پا | رکھنا قدم کہ ہو ویں ہم آغوشِ نقشِ پا

خرید کرنے پہ دلکے جو تمنے ناز کیا
تو جان لو اسے ہمنے یونہیں نیاز کیا

ہلاک اپنے جو صید دلکا تمنے ٹک چاہا
اجل نے آتے ہی چنگل کو مجھپہ باز کیا

رقیب حشر کے دن تجھکو منہ دکھاوینگے
جو اوسکی تیغ نے گردن کو سرفراز کیا

بنادے تیغ تجھے تاکہ قتل کرنیکو
فلک نے اس لئے آہن تلک گداز کیا

ہزار بل گئے اور دور آپ کو کھینچا
جو اوسکی زلف پہ مین ہاتھ کو دراز کیا

رکھے ہے آپ ہی ایسی حزین یہ آواز
کہ دل نے نالۂ نی سے کبھی نہ ساز کیا

خدا نخواستہ کچھ ہم نہیں ہین بد اطوار
ہمارے ملنے سے کیوں تو نے احتراز کیا

نگاہ رحم کی ٹک کیجے اس دل وجاں پر
خدا نے جو تمہیں جان بخش ودلنواز کیا

عیاں کیا اوسی آخر نگاہِ حسرت نے
ہزار شکل سے پوشیدہ ہمنے راز کیا

دلپر نہیں اختیار اپنا
افسوس گیا قرار اپنا

لایا نہ کوئی چراغ وگل یاں
بیکس ہی رہا مزار اپنا

جوں لالہ بہار کر رہا ہے
یہ سینۂ داغدار اپنا

کی دل نے بھی آہ بیوفائی
کوئی نہیں غمگسار اپنا

کیا مئے تھی وہ تجھ میں چشم ساقی
ٹوٹا نہ کبھی خمار اپنا

جیتا اِس دلکو جانے مت دو
چھوڑے ہے کوئی شکار اپنا

ممکن ہی نہیں کہ جیتے جی ہو
ق
اوس کوچے میں پھر گذار اپنا

خوں مین اب کیونکر نہ روؤں فندقِ پائے نگار
لے گئی دل چھین کر اور ہاتھ مین ملتا رہا

جانتا تو پھینک دیتا چاک کر سینہ کو دل
آہ یہ دشمن مرے پہلو ہی مین پلتا رہا

شہرتِ غارت گر جلاوے جی سے اور کچھ بس نہ ہو
ہم سدا دیکھا کئے اور غمسے دل جلتا رہا

گو کہ مثل سایہ حاسد ہی سیہ سر تا قدم
شعر حسرت کا ہمیشہ روز ہی ڈھلتا رہا

کیوں مچایا ہی دل بیتاب نے غل کیا ہوا
صبر کیا آفت پڑی تجھکو تحمل کیا ہوا

یوں خزاں آئی چمن پر ہائے بلبل کیا ہوا
لالہ و سوسن کہاں ہیں سنبل و گل کیا ہوا

قتل کرنیکو مرے کیا چاہیئے شمشیر و تیر
غمزہ کیدھر ہی تیرا ناز و تغافل کیا ہوا

کوئی آیا سنگدل میخوار میخانے مین آج
شیشے سب ٹوٹے پڑے ہیں ساقیا مُل کیا ہوا

ہو گئی کچھ اور ہی تیوری تمھاری ہی غضب
لطف وہ کیدھر گیا پیارے تفضل کیا ہوا

ناتواں دل کی تو کم آتی تھی نالے کی صدا
چشم تیری آنسوؤنکا اب تسلسل کیا ہوا

وصل کی ہر چند شب کوتاہ ہوتی ہے بہت
کہہ تو زلفِ یار اب تیرا تطاول کیا ہوا

دل تو میرا ہو گیا آشفتہ اوسکی زلف سے
تیرے کیوں مُو ہیں پریشاں تجھکو سنبل کیا ہوا

ایکدن تقدیر پائی صبر کو دیوے شکست
گو نہ اہل حرص کر بیٹھے توکّل کیا ہوا

بس ہی اے حسرت قناعت خاک اُسکی ہیں یقین
جاہ و دولت گر نہین تو کر تامّل کیا ہوا

حیرت آئینہ کو ہی اسکندر و جمشید پر
یعنی وہ کیدھر گئے اونکا تجمل کیا ہوا

نہ کھولا لب کو شکوے سے نہ تر کی چشم اشکوں سے
غضب کو لطف کر بوجھا جفا کو مین وفا سمجھا

مجھے ناصح بتاتا ہی ثواب کیا جنت اور دوزخ
امید اور بیم مین سمجھا عمل سمجھا جزا سمجھا

نہ در تک دے رہی نالش نہ تجھپر خون کا دعوی
تجھے جلاد مین دیکھا سو اپنا خون بہا سمجھا

سدا کہتا ہوں مر ناز یست کو اور مرگ کو جینا
بقا کو مین فنا سمجھا فنا کو مین بقا سمجھا

خطا اوسکی رقم پر مین کروں جاری معاذ اللہ
جو مجھ پر نیک بد آیا سو اپنا مین لکھا سمجھا

کیا لاکھوں کو جسنے ایک ہی اور ایک کو لاکھوں
سو حسرت وحدت اور کثرت بہت سمجھا بجا سمجھا

کیوں میرے خون سے شمشیر کو آلودہ کیا
آپ نے رنج اوٹھایا مجھے آسودہ کیا

جی دیا صبر کیا خاک ہوا پر نہ ہلا
جو کہا آپ نے مین آپ کا فرمودہ کیا

زیست مین بادہ کشی حسن پرستی ہی مزا
اس سوا جسنے کیا کام سو بیہودہ کیا

دہر معیار ہی یان قلب کا سودا نہ بنے
فائدہ کیا ہی اگر مس کو زر اندودہ کیا

اوٹھ گئے داد جو دیتے تھے سخن کی حسرت
کہکے اشعار قلم کو بھی مین فرسودہ کیا

جب تلک سینہ مین دل تھا داغ بھی جلتا رہا
بے چراغ اب گھر ہوا مالک تھا سو چلتا رہا

لخت دل نوک مژہ پر پاؤنمیں سب آبلے
مین بھی اس گلشن مین آکر پھولتا پھلتا رہا

اوس نگاہ گرم کی یارو دورنگی دیکھیو
شمع پانی ہو چکی سب اور مین گلتا رہا

تمکو سب ہوگی خبر اے ساکنان بزم یار
دیکھتے ہی شکل میری وہ کدھر ٹلتا رہا

سحر ہوئی آہ اور گھر سے نہ وہ خورشید رو نکلا
جو وہ پیدا ہو تو ای مہر مین جانوں کہ تو نکلا

فلک نے کون سا میخوار زیر خاک گاڑا تھا
گل اور غنچہ جو لیکر ہاتھ مین جام و سبو نکلا

لگی جوں شعلۂ فانوس پیراہن مین آگ اوسکے
کہ جسکے پاس سے ٹک گرم میرا شعلہ خو نکلا

تری خونخواریونسے ہم کہاں الغم بسر آوین
فشارِ دل کیا تو نے تو پھر کتنا لہو نکلا

خجل ہوں ناصحا سر نہیں اوٹھا سکتا گریبانسے
کہ پھر میرے گریبان مین ہزاروں جا رفو نکلا

نہین سوراخ زمین کے سبب درسے ترے ظالم
کیا تھا ضبط نالہ ہای پھر پھٹ کر گلو نکلا

میرا بخت سیہ اک شام اب ہی سیر کے قابل
کہ ساری چشم پر میری یہ ظالم ہو کے مو نکلا

تری قدمونکے نیچے خاک بھی ہونی نہ پایا یہ
گلی سے تیری دل افسوس ہے پر آرزو نکلا

اجل دست و گریباں جی سے مت ہو ہجر مین اوس تن
ترا ہو گا یہ دامنگیر جو تن سے کبھو نکلا

کیا تھا کل ہی اوسکی پشت پائی مہ کو شرمندہ
سو پھر اس رات کیا منہ لیکی اوسکے روبرو نکلا

ہمین بھی کل وہی دن ہی خوشی کی بات کی کیجے
ہوا کیا حسرتا اوسکی گھر سے جو اپنا عدو نکلا

دِوانہ جب ہوا دِل کہتی تھے ہم اس نے کیا سمجھا
غرض سمجھے تو جانا یہ جو کچھ سمجھا بجا سمجھا

سمجھ ہی عاشقونکی کافر و دیندار سے باہر
کہ عاشق تجھکو بُت سمجھا نہ بُت سمجھا خدا سمجھا

کبھی بُو گل سی پہچانی کبھی گُل بو سے پہچانا
تجھے سمجھا مین ہر صورت جدا سمجھا مِلا سمجھا

تجھے اور آپ کو پایا مین جیسے شخص اور سایہ
نہ بیگانہ کوئی دیکھا نہ کوئی آشنا سمجھا

کری ہے دل محبت پر محبت کو جو یہ ناداں
بھلا سمجھا بُرا سمجھا بُرا سمجھا بھلا سمجھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا حمد کہون تیری مجھے کچھ نہین یارا
یامن خلق الخلق ولیلاً ونہارا

سبحان تیری ذات کہ احمد سی نبی نے
قد سبح تسبیحک سراً وجہارا

وہ جاے ہی تیری کہ نبی اور علے بن
ہرگز نہین اوسجا پہ فرشتہ کا گذارا

وہ ساقی کوثر کہ پیمبر کا وصی ہے
من شاربہ الکاس فیاتی لسکارا

ساقی غم کونین سے دل تنگ ہوا ہے
پھر مجھکو پلا جام مئے صاف دوبارا

گر سمجھو حقیقت تو جو تھا طور کا شعلہ
اوسلادتے فلو جلوی ہم لفرنک خارا

ٹک سیر کر اے گل کہ تحیر مین رکھی ہے
آہے سحر البرد علینان بحارا

آہ اے بت سنگین دل بے مہر و مروت
وجہ لک کا الورد و قلبی کحجارا

نت وعدہ ہی کرتا ہی کہ مین قتل کرونگا
الشوخ تغافل نے تیرے مجھکو تو مارا

نہ تیر و سناں چاہیئے نہ خنجر و شمشیر
کافی ہی نگہ یا تیرے ابرو کا اشارا

ہر وقت کے رونے سی جگر کیا کری حسرت
قد احرقہ الدمع ولا یسکن نارا